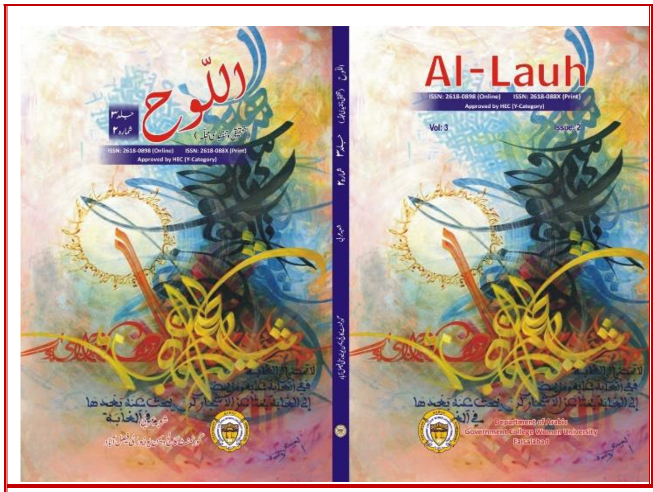

This work is licensed under a
Creative Commons Attribution
4.0 International License

Al-Lauh
Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2618-088X. (E) 2618-0898
Project of **Govt. College Women University Faisalabad,**
Madina Town, Faisalabad, Pakistan.
Website: www.allauh.com
Approved by Higher Education Commission Pakistan
Indexing: Euro Pub, Journal Factor, DOAJ, DRJI, Urdu Jaraid, Asian Research Index

TOPIC

دینی ورفاہی امور کے لیے چندہ کی شرائط، معاشی ومعاشرتی اثرات: تحقیقی جائزہ

Conditions Of Donation For Religious and Cheritable Causes,Economic and Social Effects

AUTHOR

1. Dr. Qaria Nasreen Akhtar, Assistant Professor, Institute of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan.

How to Cite: https://allauh.pk/
https://allauh.pk/index.php/allauh/issue/view/4
Vol. 3, No.2 || July–December 2024 ||
Published online: 31-12-2024

دینی ورفاہی امور کے لیے چندہ کی شرائط، معاشی ومعاشرتی اثرات: تحقیقی جائزہ

Conditions Of Donation For Religious and Cheritable Causes,Economic and Social Effects

ڈاکٹر وقاریہ نسرین اختر[1]

Abstract:

Donations or funds are money that is given or taken to be spent on individual or collective charitable works. Many organizations around the world that are concerned with welfare or human rights have their own and organizational needs. as well as emphasize the campaign to collect donations or funds to bring resources to the people. This work is focused with great enthusiasm and high emotions on the occasion of various festivals in different religions, especially Along with religious organizations, various political organizations also come into the field. Religious madrasas usually meet the needs of the madrasas and the students living there by taking donations, and from the amount of the donation, they also meet the needs of the madrasas. It happens. There are no good measures taken by the government to provide facilities to the madrasahs, so the madrasahs depend on donations. In the modern era, as the number of madrasas increased, so did the practice of taking donations from the people. It has reached such a point that the administrators of Madrasahs do not feel shy to ask for donations from the people themselves or through the students. The same is the case with the members of the other charitable institutions. Donations are asked from the deserving and undeserving people. Such people who cannot afford to donate temporarily come into their religious affairs and donate more than they can afford. Regret later. The paper examines the conditions of donation, economic and social impacts. Which explains in detail the conditions of donation and the social impact on them.

Key words: religious schools, welfare, donations, religious organization

مسلمانوں میں دینی تعلیم کو منظم کرنے کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ دارارقم، درسگاہ مسجد قبا، مسجد نبوی اور اصحاب صفہ کے پلیٹ فارم پر تعلیمی و تربیتی سرگرمیاں اس کی زندہ مثال ہیں۔ ۴ھ اور ۵ھ کے مشہور دینی مدارس میں مصر کا جامع ازہر، اصفہان کا مدرسہ ابو بکر اصفہانی، نیشاپور کا مدرسہ ابو الاسحاق الاصفرینی اور بغداد

کا مدرسہ نظامیہ شامل ہیں۔ مکتب میں پڑھائی جانے والی حدیث کی کتابوں کی سندی سلسلہ حضور ﷺ تک پہنچتا ہے۔[1]

دینی مدارس کی ضرورت اور اہمیت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ وہ لوگ جو ہر وقت دیانت داری سے مدارس کی خدمات اور تاریخ کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں اور علمی جلسوں میں اس کا جراتمندانہ اظہار بھی کرتے ہیں۔ مدارس روشن خیالی کا فریضہ انجام دیتے ہیں، یہی مدارس کی خوبی ہے کہ وہ امت مسلمہ کا اسلامی اقدار و روایات، تہذیب و ثقافت سے رشتہ استوار کرتے ہیں۔ دینی مدارس کا وجود اس وطن عزیز میں اسلام کے تحفظ اور بقا کے لیے ناگزیر ہے۔ گزشتہ کئی سالوں سے مدارس کے نصاب و نظام تعلیم کی معنویت اور ان کے اساتذہ اور فارغین کے مستقبل کو لے کر جو گفتگو چل پڑی ہے، اس کے مقاصد کچھ اور ہیں جن سے ملت کے باشعور اور حساس افراد اچھی طرح آگاہ ہیں۔[2] برصغیر پاک و ہند میں دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) میں دینی مدارس قائم ہوئے۔ جب مسلمانوں نے دہلی پر قبضہ کیا تو دہلی کے علاوہ کئی دوسرے بڑے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں بھی بڑی تعداد میں مدارس اور مکاتب قائم ہوئے۔ مدارس کے قیام کا بنیادی مقصد ایسے علماء پیدا کرنا تھا جو کتاب وسنت اور ان سے ماخوذ علوم و فنون کی اشاعت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ انسان کی دنیوی زندگی کی بہتری کے لیے جدوجہد کریں۔[3]

دینی مدارس کے منتظمین ان مقاصد کے حصول کے لیے کیا کرتے ہیں، یہ ایک الگ بات ہے۔ مقالہ ہذا میں ان کی تفصیل سے بیان کرنا ضروری نہیں لیکن یہ بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ انھوں نے آسائشوں کی زندگی ختم کر کے غربت و افلاس کی زندگی اختیار کی۔ لوگوں سے خیرات اور صدقات مانگ کر مدارس کو زندہ رکھا۔ لہٰذا یہ بات بلا جھجک کہی جاسکتی ہے کہ علماء کے اس طبقے نے معاشرے میں قرآن وحدیث اور اسلامی عقائد ومعاشرت کی تعلیم کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی "عزت نفس" تک کی قربانی دی۔ عوام الناس کے عطیات، گھروں سے مانگی گئی روٹیوں اور صدقہ وخیرات کی بنیاد پر قیام پذیر ہونے والا دینی درسگاہوں کا یہ نظام مسلمانوں کے لیے انگریزوں کی قائم کردہ فکری، نظری و ثقافتی یلغار کے خلاف ایک پختہ رکاوٹ ثابت ہوا بلکہ انہوں نے برصغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش کے مسلمان لوگوں کے عقائد وافکار، اسلامی اور

معاشرتی علوم وفنون کا تحفظ کیا اور تحریک پاکستان اور تحریک آزادی کے لیے نظریاتی رہنماؤں کو بھی فراہم کیا۔ جن میں مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شامل ہیں۔، مولانا عبدالحمید بدایونیؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے ہزارہا اصحاب بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[4]

انفاق فی سبیل اللہ:

انفاق سے مراد رب کریم نے جن کاموں پر خرچ کرنے کی اجازت دی ان پر خرچ کرنا اور جن امور پر خرچ کرنے سے منع کر دیا ان پر خرچ کرنے سے رک جانا ہے۔ انفاق نماز کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے۔ رب ذوالجلال نے نماز کے ساتھ ساتھ زکوۃ کی ادائیگی کے احکام بھی صادر فرمائے ہیں۔ جو مالی عبادات میں سے فرض عبادت ہے۔ رب کریم نے متقی لوگوں کی جن خوبیوں کو پیش کیا۔ ان میں انفاق کو بھی شامل کیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾[5] "اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے انفاق بھی کرتے ہیں"۔ انفاق (خرچ کرنے) کی دو مشروع صورتیں ہیں:

(۱) فرض: جس میں زکوۃ، عشر، قربانی، فطرانہ اور منت کا صدقہ کے علاوہ اپنے زیر کفالت افراد پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔

(۲) نفل یا مستحب: زیر کفالت افراد کے علاوہ رشتہ داروں، پڑوسیوں، بیواؤں، محتاجوں، یتیموں، معذوروں، مسافروں، قرضے میں دبے ہوئے لوگوں، دین کے دفاع اور تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف لوگوں کی مدد کرنے کے علاوہ بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنے، مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے اور مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات اور سہولیات پر خرچ کرنا۔[6]

اسلام میں انفاق (مال خرچ کرنے) پر بہت بڑے اجر و ثواب کو بیان کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص اپنی حلال کمائی میں سے صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ تو حلال ہی قبول فرماتا ہے، تو گویا اس نے) وہ صدقہ (رحمٰن کی ہتھیلی پر رکھ دیا، پھر اللہ تعالیٰ تم میں سے ایک کی کھجور میں زیادتی کر تا بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے جانور کے بچے کو کھلا پلا کر بڑھاتا ہے یہاں تک کہ وہ) صدقہ (احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے"۔[7] حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "روزانہ صبح سویرے دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کہتا ہے: اے رب کریم! جو مال خرچ کرتے ہیں ان کا بدل

فرمادیں اور دوسرا کہتا ہے: جو مال کو روک کر جمع کرنے والے ہیں ان کے مال کو ضائع کردے"۔[8]
دینی مدرسوں کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی اسلام کی۔ دینی مدرسے عہد رسالت ﷺ سے لے کر آج تک مخصوص انداز سے آزاد ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں پہلی دینی درس گاہ وہ خاص چبوترہ جو صفہ کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں حضور اکرم ﷺ سے حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ ستر کے قریب صحابہ کرامؓ قرآن کریم کی تعلیم، حکمت اور تزکیہ نفس کا درس حاصل کرتے تھے۔ انہیں اصحاب صفہ بھی کہا جاتا تھا اور وہ سب سے پہلے دینی طالبعلم کہلائے۔[9] رب کریم کا ارشاد ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ﴾[10] "جو لوگ راہِ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانہ کی ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور پھر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور خدا جس کے لیے چاہتا ہے اضافہ بھی کردیتا ہے کہ وہ صاحب وسعت بھی ہے اور علیم ودانا بھی"۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کرم ﷺ کا فرمان پاک ہے کہ خیرات دینا مال کو کم نہیں ہونے دیتا"۔[11] خواہ مال کی آمدنی بڑھ جائے یا برکت بڑھ جائے۔[12]

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی میرے پاس ایک دینار ہے میں اسے کہاں خرچ کروں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی ذات پر خرچ کر، اس شخص نے کہا میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنی اولاد پر خرچ کر، اس شخص نے کہا۔ میرے پاس اس کے علاوہ مزید ایک دینار اور بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی بیوی پر اسے خرچ کر، اس شخص نے کہا میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اب تو اپنا معاملہ خوب جانتا ہے (یعنی جہاں مناسب سمجھو خرچ کر)۔[13] اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اپنی حقیقی ضرورت اور زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو کچھ زائد ہو وہ دوسروں پر خرچ کردینا چاہیے۔ یاد رہے کہ ضرورت سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے نہ ملنے سے ایمان، جان اور آبرو کو کوئی نقصان پہنچنے کا واقعی خدشہ موجود ہو۔ دورِ حاضر میں حقیقی ضروریات کے علاوہ غیر ضروری لوازمات کا دائرہ بہت بڑھ چکا ہے، سیر و تفریح کرنا، تقریبات پر بے تحاشا خرچ کرنا، رنگارنگ اور ہر نئے ڈیزائن کی چیز خرید لینا وغیرہ۔

چندہ:

چندہ کی غرض وغایت کے موضوع کو آگے بڑھانے سے پہلے چندہ کے معنی و مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔ چندہ کا لفظ فارسی زبان سے لیا گیا۔ چندہ کے کئی معنی ہیں جن میں چند ایک کا بیان ہے کہ وہ پیسہ جو مختلف اقوام یا لوگوں سے جمع کر کے کسی کی امداد کی جائے۔ عطیات، خیرات وصدقات، نذرانے، وہ رقم جو کسی ادارے کو اس کے ممبران کی طرف سے مقررہ اوقات پر دی جائے، وہ پیسے جو کئی مخیر یا عام حضرات سے وصول کر کے کسی خاص کام کے لیے جمع کیے جائیں۔ انگریزی میں چندہ Donation, Charity یا Contribution کے منشاء میں آتا ہے۔ چندہ کی جمع چندوں یا چندے ہے۔ برصغیر پاک وہند میں زیادہ تر چندہ مساجد و دینی مدارس کے لیے جمع کیا جاتا ہے۔ لیکن جدید دور میں بڑی بڑی NGOs اور کئی قسم کے ادارے قائم کیے جاچکے ہیں جن کے ذریعے لوگوں سے رقم جمع کی جاتی ہے اور فلاحی ورفاہی کاموں میں استعمال کی جاتی ہے۔ اکثر لگان وغیرہ کے لیے بھی یہی لفظ بولا جاتا تھا۔ چندہ سے مراد ایسی مالی امداد یا رقم ہے جو دوسروں کی انفرادی یا اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دی جاتی یا لی جاتی ہے۔ پاکستان میں فلاحی ورفاہی امور انجام دینے والی ہزاروں تنظیمیں ہیں۔ اس لیے چندہ / فنڈ اکٹھا کرنے کا کام بھی خوب ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ سیاسی جماعتیں بھی فنڈ کے بل پر سیاسی وانتخابی میدان کو فتح کرتی ہیں اور حکومت کے سربراہ بھی "قرض اتارو ملک سنوارو کی مہم چلا کر عوام سے فنڈ وصول کرتے ہیں۔ بعض مواقع پر چندہ وصول کرنے کی مہم میں غیر معمولی گرم جوشی آجاتی ہے مثلاً رمضان المبارک، عیدین وغیرہ۔[14]

ہمارے ملک میں چندے پر چلنے والے کاموں کی فہرست طویل ہے۔ مثلاً

- بیواؤں، مسکینوں، یتیموں، اپاہجوں، معذوروں اور بے سہارا لوگوں کی مدد
- بے روزگاروں کو روزگار دلوانا
- سکول، کالج کے طالب علموں کی مدد کرنا
- دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی مدد
- بوڑھوں کے لیے اولڈ ہومز کا قیام
- اسپتال بنانا اور ادویات نیز اسپتال میں کام آنے والی مشینیں خریدنا

- ہنگامی آفات میں مبتلا ہونے والوں کی امداد مثلاً بم پھٹنا، آگ لگ جانا، حادثہ ہوجانا، سیلاب آنا، قحط پڑنا وغیرہ۔
- مہاجرین کی مدد
- قانونی سہولتیں مہیا کرنے والے ادارے
- مساجد اور مدارس کی تعمیر
- جہاد کے مصارف دعوت و تبلیغ، زبانی اور تحریری
- افطار پارٹیاں، محفل شبینہ، محفل تراویح، محفل قرآت، جلسۂ سیرت، عید ملن، جشن میلاد، شب معراج، شب برات، بزرگوں کے عرس اور میلے، گیارہویں کا ختم، برسیاں، قتل، چالیسویں ختم قرآن کی تقریبات وغیرہ۔[15]

اسلام میں چندہ یا فنڈ لینے کا رواج نہیں ہے بلکہ برصغیر اور دیگر علاقوں میں بھی یہ رسم انگریز اپنے ساتھ لے کر آئے۔ ان کے ہاں مذہبی لحاظ سے دوسروں پر خرچ کرنے کی کوئی خاص تعلیمات نظر نہیں آتیں اور نہ ہی ان کے جذبات میں دوسروں کے لیے قربانی کی وہ تحریک پائی جاتی ہے جس کا وجود اسلام اور مسلمانوں میں ہے لہٰذا انہیں لوگوں سے کہہ کر، ترغیب دے کر، بلکہ لپیٹ لپیٹ کر چندہ (Charity)وصول کرنا پڑتا ہے۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی لکھتے ہیں: چندہ اکٹھا کرنے کا رواج یورپ سے آیا ہے۔ مسلمانوں میں چندہ اکٹھا کرنے کا رواج نہیں تھا، جس کی بنا یہ ہے کہ علماء اپنے گھروں یا مساجد میں بیٹھ کر درس دیتے یا تصنیف و تالیف کرتے، لوگوں کو مذہبی مسائل بتاتے اور امراء وسلاطین ان کی مالی خدمت کرتے۔ علماء ومشائخ کے پاس کوئی رقم جمع نہ ہوتی تھی، ان کا سامانِ معیشت صرف قرآن مجید، تسبیح، مصلیٰ اور چند کپڑوں پر محدود تھا۔ اُس وقت کوئی تصنع، ریاکاری اور نمائشی امیروں کے لیے جگہ نہ تھی۔

دیگر مذاہب میں کوئی شخص کسی قریبی عزیز، یا پڑوسی کے حقوق کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا حتی کہ شوہر بیوی کی اور ماں باپ اولاد کی ذمہ داری بھی قبول نہیں کرتے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں کہ انسانیت کا درد رکھنے والے لوگ تنظیمیں بنا کر چندہ یا فنڈ وصول کر کے بے سہارا لوگوں کی کفالت کے لیے ادارے بنائیں۔ دیگر مذاہب کو کسی رشتے دار کی یا کسی بے سہارا شخص کی ذمہ داری قبول کرنا بہت گراں لگتا ہے لیکن وہ اپنا مال رفاہی اداروں پر خرچ کرنے کو آسمانی نیکی تصور کرتے ہیں۔

مغرب کے اسی تنگ دلانہ تصور نے رفاہی تنظیموں کو نہ صرف جنم دیا بلکہ دنیا کے ہر جگہ ان کا جال پھیلا دیا اور یہ کوشش کی کہ ہر ملک ومذہب کے لوگ انہی کی تنظیموں کے تحت رہ کر کام کریں۔ چنانچہ یہ اقدام پوری دنیا کو اپنا غلام بنانے کی تدابیر میں سے ایک موثر تدبیر کے طور پر سامنے لایا گیا۔ صرف یہی نہیں یورپ نے اقوام متحدہ کے ادارے کی زیر نگرانی بھی مختلف تنظیمیں بنائیں۔ یورپی رفاہی تنظیموں کو کسی ملک میں کام کرنے کے لیے فوری اجازت مل جاتی کہ مسلم ممالک کی تنظیموں کو دوسرے ممالک میں کام کرنے کی اجازت یورپی اقوام مشکل ہی سے دیتی ہیں۔[16] بہر حال اس وقت ہمارے ملک میں دینی اور رفاہی کام کرنے والی بہت سی تنظیمیں ہیں، ان کے طریق کار میں فرق ہوتا ہے لیکن کام کرنے کا طریقہ یورپی رفاہی تنظیموں ہی کی طرح ہے۔ یہ تین طرح کی تنظیمیں ہیں:

(۱)خالص دینی تنظیمیں: دین کی دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ یہ لوگ رفاہ عامہ کے بھی بہت سے کام کر رہے ہیں۔

(۲)غیر مسلم کی رفاہی تنظیمیں: یہ لوگ غیر ملکی این جی اوز کے انداز اور انہی کے مقاصد کے تحت کام کر رہے ہیں۔ اسی لیے انہیں اکثر وبیشتر باہر کے ممالک سے بھی امداد ملتی رہتی ہے اور ان کا غیر ملکی تنظیموں کے ساتھ الحاق بھی ہوتا ہے۔ یہ لوگ بعض دینی کام بھی کرتے ہیں تاکہ عوام انہیں اسلام کے داعی اور ہمدرد سمجھ کر زکوۃ وصدقات، قربانی وغیرہ کی کھالیں دیتے رہیں۔

(۳)غیر ملکی رفاہی تنظیمیں: ان لوگوں کا مقصد مسلمان معاشرے کو بگاڑنا، اسلام سے بیگانہ کرنا، مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنا، بے حیائی کو عام کرنا اور یورپی معاشرے جیسی فضا کو عام کرنا ہے۔ انہیں غیر ملکی حکومتیں اور یہود وہنود اور عیسائی دانش ور خصوصی تربیت اور ہدایات دے کر مسلمان ممالک میں بھیجتے ہیں۔ ان میں اکثر تنظیمیں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ذیلی تنظیم کے طور پر کام کر رہی ہیں۔ یہی اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کے دینی ایام و تقریبات کے موقع پر دینی وابستگی والے کام بھی کرتی ہیں۔ مثلاً افطار پارٹی، عید ملن پارٹی، لوگوں کو اور رمضان اور عید پیکیج دینا وغیرہ۔[17]

بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا فرض ہے کہ ہم چندہ یا فنڈ کے حوالے سے جو کچھ کرتے ہیں اس کا شرعی طریق کار بھی معلوم کریں۔ جہاں تک لوگوں کی ضروریات پوری کرنے یا دینی تعلیمات کو عام کرنے کا تعلق ہے اس کا سب سے بڑا داعی اسلام ہے۔ چنانچہ اسلام

میں انفاق (خرچ کرنا) گھریلو اور اجتماعی سطح پر بھی باقاعدہ ایک شعبہ ہے جو بذات خود عظیم عبادات میں سے ایک عبادت ہے۔

چندہ کی غرض دین اور مدرسوں کی ضرورت ہے، اسی ہیئت پر باقی رکھنے کے لیے آپ جو کچھ دیں اپنی ضرورت اور منفعت کی تحصیل کے واسطے دیں گے ہم پر کچھ احسان نہیں، حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:[في اخذه بيمينه في ربيه كما يربي احدكم حتى يكون العظم من الجبال][18] یعنی باری تعالی اپنے یمین میں لیتے ہیں جو کچھ دیا جاتا ہے۔ یمین کا لفظ میثابہات میں سے ہے، مراد قبول ہے اور باری تعالی کے ہاتھ میں کیسے نمونہ ہو گا جب زمین میں ڈالنے سے دانہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے، اگر ایک کھجور کو بویا جائے اور پھر اس سے جتنے پھل پیدا ہونگے اس کو بویا جائے اور ایسے ہی حساب لگایا جائے تو یہ بات معلوم ہو سکتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ احد، اعظم الجبال تھا مدینہ میں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کی مثال دی ورنہ پہاڑ سے اور اس سے کیا نسبت بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دینے والا اگر ثواب دیکھ لے تو یہی کہنے لگے۔

بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم　　جمادے چند دادم جاں خریدم[19]

درحقیقت دینی مدرسوں کا وجود برصغیر پاک وہند میں ملت اسلامیہ کی بقاء کے لیے بہت ضروری ہے۔ مدارس کی بقاء کی ذمہ داری کسی حکومت، جاگیردار اور سرمائے داروں کے حوالے کرنے کے بجائے اکابرین اور اسلاف کے علماء نے رب کائنات کے توکل پر اور عام غریبوں و مزدوروں کی معمولی سی امداد پر بھروسہ کیا جو پہلے آٹھ آنہ، روپیہ ہوا کرتا تھا لیکن اب دس، بیس، پچاس یا سو روپے بھی ہو سکتا ہے۔ عام طور پر غریب مزدور کا حصہ سرمایہ دار کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہوتا، لیکن خلوص اور پاکیزگی میں بہت بہتر ہوتا۔ رقم کی مقدار کم ہوتی اس لیے منتظمین مدارس کے اخراجات پورا کرنے کے لیے توجہ الی اللہ کی دولت سے بھی مالا مال رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک دینی درسگاہوں کا انحصار غریب عوام کے قلیل حصہ پر رہا، انہی مدارس سے اللہ سے محبت کرنے والے محدثین، مفسرین اور ملت کے عظیم خدمت گزار مصلحین کی ایک بڑی تعداد نکلتی رہی اور چونکہ ہمارے علمائے کرام نے سرمائے کے لیے مشترکہ محنت فراہم کی۔ لیکن جب سے عام مسلمانوں کے بجائے سیٹھوں اور ساہوکاروں کے دروازوں پر فراہمی سرمائے کے لیے سعی

شروع ہوئی تب سے مدارس کی افادیت اور علماء کا وقار مسلسل گراوٹ کی لپیٹ میں آگیا۔

دینی مدارس عموماً چندہ لے کر ہی مدارس اور وہاں رہائش پذیر طلبہ وطالبات کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں اور چندہ کی رقم میں سے انہوں نے مدارس کی ضروریات کو بھی پورا کرنا ہوتا ہے۔ مدارس کو سہولیات بہم پہنچانے میں حکومت کی طرف سے بھی کوئی احسن اقدامات نہیں ہیں اس لیے یہ مدارس چندہ پر ہی چلتے ہیں لیکن عصر حاضر میں مدارس کی تعداد میں جس طرح اضافہ ہورہا ہے اسی طرح لوگوں سے چندہ لینا کا رواج بھی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ بلکہ آج نوعیت اس حد تک ہے کہ مدارس کے ناظمین لوگوں سے خود یا حفاظ کے ذریعے چندہ مانگنے میں کوئی بھی عار محسوس نہیں کرتے۔ مستحق اور غیر مستحق لوگوں سے بھی چندہ مانگتے ہیں ایسے لوگ جو چندہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ وقتی طور پر ان کی دینی باتوں میں آکر اپنی بساط سے زیادہ چندہ تو دے دیتے ہیں لیکن بعد میں پچھتاتے ہیں۔ حالانکہ عہد رسالت ﷺ میں نبی کریم ﷺ کے حضور جو چندہ آتا تو نبی کریم ﷺ بعض مواقع پر واپس کر دیتے تھے، ہر ایک سے چندہ آپ نہیں وصول نہیں کرتے تھے آج کے دور میں کسی چندہ جمع کرنے والے کو ایسا دیکھا ہے؟ آج کل کے مدارس والے تو مال حرام تک واپس نہیں کرتے۔ حضور ﷺ کے چندہ واپس دینے کی وجہ یہ ہوتی کہ اس بندے کو دینے کی استطاعت نہ ہوتی تھی اس لیے وہاں اسی بات کا اندیشہ ہوتا کہ شاید وہ بندہ بعد میں پچھتائے یا تکلیف اٹھائے۔ آپ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کا سارا گھر لے لیا تھا کیونکہ وہ صدیق اکبر تھے وہاں نہ طبع پر ناگواری کا شبہ تھا نہ تکلیف سے متاثر ہونے کا، اس لیے لے لیا کیونکہ وہ تو آپ ﷺ کے اندر فنا ہوگئے تھے۔ پھر ان میں احتمالات کس طرح ہوسکتے ہیں۔[20]

مدد کا ذریعہ کون سی تنظیم؟

ایک مسلمان اپنے مال کا وکیل اور امین صرف اس مسلمان ہی کو بنا سکتا ہے جو اللہ کی توحید اور نبی کریم ﷺ کی نبوت پر پختہ یقین رکھتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر کام میں راہنمائی کے لیے قرآن وسنت کو لازم جانتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے مال، خدمات اور تائید کی حق دار صرف حقیقی اسلامی صفات والے مسلمانوں کے ہاتھوں تشکیل پانے والی تنظیم ہے۔ ایسی تنظیموں اور

مسلمانوں کا ساتھ دینا دور حاضر کی اولین ضروری ہے۔ ایک مسلمان تو اپنی ہر دعا میں ایسے ہی پختہ ایمان والے مسلمانوں کے ساتھ کی طلب کرتا ہے۔ اس کی تو ہر نماز یہ دعا ہوتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَo صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ﴾[21] "ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بھٹکے ہوؤں کا"۔

جو مسلمان بے دین ہیں، بے نماز ہیں، گانے بجانے کا کام کرتے ہیں، لاٹری، جوا، آرٹ، فلم شو، سٹیج وغیرہ کا انعقاد کرتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنی تنظیم کے لیے امداد اکٹھی کرتے ہیں، جن کے حلیے اسلام کے مطابق نہیں، جن کا مطمح نظر صرف دنیا کمانا ہے، دین کا کام نہیں کرتے، اپنی عملی زندگی میں دین کی بجائے یورپی انداز وعادات کو ترجیح دیتے ہیں جن کا عقیدہ ملحدانہ یا مشرکانہ ہے، جن کی دوستیاں ہندو، عیسائیوں، یہودیوں اور دیگر غیر مسلموں کے ساتھ ہیں ان کو بھی چندہ یا کسی بھی قسم کی امداد نہیں دینا چاہیے۔ فرمان ہے: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾[22] "اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے رب کریم کو بھلا دیا نتیجے میں رب کریم نے خود انہیں ان کا نفس بھلا دیا یہی لوگ فاسق ہیں"۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے تحت رفاہی کام ہوں یا یورپ سے الحاق رکھنے والی تنظیموں کے تحت، انہیں چندہ دینا بلکہ ایک تنکے کی بھی مدد کرنا ملحد، عیسائی اور یہودی تنظیموں کی مدد کرنا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ صرف ایمان دار کا عمل قبول کرتا ہے۔ غیر ملکی تنظیموں کو مدد دینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کے نظام کو پسند کرتے ہیں اور ان کے کام کو بھی پسند کرتے ہیں جب کہ رب نے یہود ونصاریٰ اور کافروں کے بارے میں فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾[23] "ایمان والو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست اور سرپرست نہ بناؤ کہ یہ خود آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے کوئی انہیں دوست بنائے گا تو ان ہی میں شمار ہو جائے گا بیشک اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے"۔ یاد رہے کہ انفرادی طور پر کسی کافر کی مدد کی جا سکتی ہے البتہ زکوۃ کی رقم صرف اسی حالت میں دی جائے گی جبکہ کافر کے مسلمان ہو جانے کی امید ہو۔[24]

چندہ کی شرائط وناجائز صورتیں:

ہمارے ملک میں بہت سی تقریبات اور جشن ایسے بنا لیے گئے ہیں جن کا ذکر قرآن وسنت سے نہیں ملتا بلکہ ان جشنوں اور تقریبوں کی ممانعت ملتی ہے لہذا ان میں چندہ دینا یا کسی بھی قسم کی مدد کرنا درست نہیں۔ ان میں سے چند جشن اور تقریبات مندرجہ ذیل ہیں:

- **بزرگوں کے عرس اور میلے:** قرآن وسنت سے کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ بزرگوں کے عرس اور میلے منانا چاہئیں۔ اس کے برعکس بزرگوں کے عرس اور میلے منانے سے منع کی روایات ملتی ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا"۔[25] رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبروں کو گچ وغیرہ سے پختہ کیا جائے اور ان پر (مجاور بن کر) بیٹھا جائے اور یہ کہ اس پر کچھ تعمیر کیا جائے۔[26]
- **گیارہویں کا ختم:** اکثر مساجد میں بھی اور گھر گھر جا کر بھی گیارہوں کے ختم کے لیے چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔
- **جشن میلاد النبی:** تقریباً ستر اسی سال قبل یہ روایت شروع ہوئی، اس سے قبل پاکستان یا ہندوستان میں یہ عید متعارف نہیں تھی۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: رب کریم نے تمہارے لیے جشن کے دو دن مقرر کردیئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحیٰ۔[27] لہذا ان کے مقابلے میں کسی نئی عید کا منانا بدعت اور دین میں غلو ہے۔

میلاد کے موقع پر مساجد میں نیز میگافون کے ذریعے گلی گلی پھر کر چندہ جمع کیا جاتا ہے۔ لڑکے ہر راستے کو بند کر کے کھڑے ہوجاتے ہیں اور تب تک کسی کو گزرنے نہیں دیتے جب تک وہ عید میلاد النبی ﷺ کے لیے چندہ نہ دے۔ گویا یہ زبردستی کا چندہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "تم میں سے ہر گز کوئی بندہ اپنے دوسرے بھائی کی کوئی چیز ہر گز نہ لے، نہ ہنسی مذاق میں، نہ حقیقت میں"۔[28]

چندہ کی ترغیب کرنا جائز اور زور ودباؤ اور اصرار کے ساتھ مانگنا ناجائز ہے۔ اس بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: مدارس کے چندوں کے متعلق ہمیشہ سے

میری رائے یہ ہے کہ زور دے کر اور دباؤ ڈال کر وصول نہ کیئے جائیں اور اس طرز کو ابتداء سے ناجائز کہتا تھا لیکن اب اس کے متعلق ایک عجیب تائید تفصیل کے ساتھ قرآن شریف کی آیت سے مل گئی جس پر اس کے قبل کبھی نظر نہ ہوئی تھی وہ یہ ہے کہ چندہ لینے میں ایک (اصرار کے ساتھ) سوال کا مرتبہ ہے اور وہ ناجائز ہے اور ایک ترغیب کا مرتبہ وہ جائز ہے اور اس کی دلیل کلام مجید کی اس آیت سے ملتی ہے، اللہ تعالیٰ سوال سے عفت کی بابت فرماتے ہیں۔﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾[29] (لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے) اس سے معلوم ہوا کہ سوال (بالاصرار والجبر) نہ کرنا چاہیے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[30] "اور تم میں سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہیئے جو خیر کی دعوت دے، نیکیوں کا حکم دے"۔ اس سے چندے میں ترغیب کا مضائقہ نہیں کیونکہ دین کی حفاظت ضروری امر ہے اور وہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ قائم کیے بغیر ممکن نہیں اور یہ سلسلہ اسوقت عادۃ بدون اعانت کے چل نہیں سکتا پس اعانت کرنا ایک امر خیر کا مقدمہ اور موقوف علیہ ہے لہٰذا وہ بھی خیر ہے بلکہ امر ضروری کا مقدمہ ہونے کیوجہ سے ضروری ہے۔[31]

ناجائز تقریبات کے لیے چندہ:

ہمارے ملک میں بہت سی تقریبات اور جشن ایسے بنا لیے گئے ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ملتا بلکہ ان جشنوں اور تقریبوں کی ممانعت ملتی ہے لہٰذا ان میں چندہ دینا یا کسی بھی قسم کی مدد کرنا درست نہیں۔ لہٰذا ان کے مقابلے میں کسی نئی عید کا منانا بدعت اور دین میں غلو ہے۔ میلاد کے موقع پر مساجد میں نیز میگافون کے ذریعے گلی گلی پھر کر چندہ جمع کیا جاتا ہے۔ لڑکے ہر راستے کو بند کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور تب تک کسی کو گزرنے نہیں دیا جاتا جب تک وہ عید میلاد النبی کے لیے چندہ نہ دے۔ گویا یہ زبردستی کا چندہ ہوتا ہے۔[رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ:" لَا يَأْخُذَنَّ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ أَخِيهِ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا][32] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: تم میں سے کوئی بندہ اپنے بھائی کی کوئی چیز ہرگز نہ لے، نہ ہنسی مذاق میں، نہ حقیقت میں۔ جس نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے انہی کی عید منانے کے لیے یہ گناہ بھی کیا جاتا ہے۔ بعض ملنگ اور نوجوان لڑکے، ڈھول پیٹ کر، بھنگڑا ڈالتے، نعتیں اور قوالیاں گاتے، گلیوں میں اور مختلف چوراہوں میں جمع ہوتے ہیں ساتھ

چند آدمیوں نے سبز رنگ کی چادر کھول کر پکڑی ہوتی ہے جس میں ہر آنے جانے والا عید میلاد کے لیے چندہ ڈالتا ہے۔[33]

- شب معراج اور شب برات کے مواقع پر جلسہ یا اجتماعی، نعت خوانی، میلاد خوانی وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ اہتمام بھی چندہ ہی کے بل پر ہوتا ہے۔ جب کہ قرآن وحدیث میں شب برات یا شب معراج منانے کا اشارہ تک نہیں ملتا۔
- عید ملن پارٹی: اس مقصد کے لیے بہت سی سیاسی اور رفاہی تنظیمیں چندہ جمع کرتی ہیں جب کہ اسلام میں عید ملن پارٹی کا کوئی تصور نہیں۔
- محفل شبینہ، محفل میلاد، محفل نعت، محفل قراءت، محفل سماع وغیرہ کے نام پر بھی بہت سی دینی، رفاہی، سیاسی بلکہ غیر مسلم این جی اوز بھی فنڈ اکٹھا کرتی ہیں۔
- دعوتِ افطار یہ دینی رفاہی اور سیاسی نیز غیر مسلم این جی اوز کا بھی پسندیدہ مشغلہ ہے۔ چندہ اکٹھا کرنا، باہم جمع ہونا، روزہ افطار کرنا اور کرانا۔ اسلام میں کسی کو روزہ افطار کرانا بڑے اجر کا کام ہے۔ بشرطیکہ روزہ افطار کرنے والا اور کرانے والا دونوں مسلمان ہوں اور بغیر کسی دنیوی غرض کے روزہ افطار کرایا جائے۔[34]

غیر مسلموں کے تہواروں کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا، ویلنٹائن دے، کرسمس ڈے، ایسٹر، نیو ائیر ڈے، یوم مئی، بسنت، ہولی وغیرہ کے لیے بھی این جی اوز فنڈ اکٹھار کرتی ہیں اور پھر مل کر رنگ رلیاں مناتی ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ وہ مسلمان جن کو غیر مسلموں کے کسی بھی مذہبی کام میں شرکت کرنا سختی سے منع کیا گیا ہے وہ خود خیر سگالی اور یک جہتی کے نام پر غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ان کے مذہبی اور قومی دن منانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ ﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾[35] "ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب وہ ان ایام میں ہوتے ہیں"۔ وہ اہل اسلام کے لیے منافقانہ کردار ادا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تمام تقریبات میں کچھ امور مشترک ہیں جو گناہ اور فسق کی ذیل میں آتے ہیں اور یہ درج ذیل ہیں:

1. جس دن کو یہ تقریب کو منانے کی اجازت اسلام نے نہیں دی اسے منانا۔
2. اس دن کی نسبت سے کارڈ چھپوانا

3. لائٹیں جلانا، آرائشی محرابیں اور پہاڑیاں بنانا۔ عیسائیوں کے مذہبی درخت کا ماڈل بنانا، عید میلاد النبی ﷺ کے سلسلے میں پہاڑیاں اور بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی ﷺ کا ماڈل بنانا۔
4. نیا لباس پہننا
5. نعت، قوالی، ناچ گانے، بھنگڑے، لڈو اور موسیقی اور فلمی اداکاروں یا طوائفوں کو بلانا اور ان پر وار وار کر نوٹ انہیں دینا۔
6. اس تقریب کے حوالے سے باہم تحائف بھیجنا۔
7. گھروں کی، مساجد کی، دفاتر کی یا دیگر عمارات کی آرائش کرنا

ان امور کی وجہ سے ان تمام کاموں کے لیے چندہ/فنڈ دینا جائز نہیں۔[36]

مساجد کی تعمیر کے لیے چندہ:

مساجد مسلمان معاشرے میں مرکز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ زمین پر اللہ کے گھر ہیں، ان کی حرمت، عزت اور فضیلت زمین کے دوسرے حصوں یا عمارتوں پر ایک ثابت شدہ امر ہے۔[عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " أَحَبُّ البِلَادِ إِلَى اللَّهِ، مَسَاجِدُهَا، وَأَبْغَضُ البِلَادِ إِلَى اللَّهِ، أَسْوَاقُهَا][37] "حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے:"رب کریم کو شہروں میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ مساجد ہیں اور ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں"۔ نیز فرمایا:[من بنى مسجدا يبتغى به وجه الله بنى الله له بيتا فى الجنة][38] " جو شخص رب کریم کی خوشی کے لیے مسجد بناتا ہے رب کریم جنت میں اس کے لیے گھر بناتا ہے"۔ خود حضور اکرم ﷺ نے قبا اور مدینہ میں قدم مبارک رکھتے ہی سب سے پہلے مساجد کی تعمیر کا کام کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کا تقاضا ہے کہ جیسے ہی کسی نئی بستی (کالونی) کی بنیاد رکھی جائے وہاں سب سے پہلے مسجد تعمیر کی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے:[عَنِ ابْنِ عُمَرَ، "أَنَّ مَسْجِدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ سَوَارِيهِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جُذُوعِ النَّخْلِ، أَعْلَاهُ مُظَلَّلٌ بِجَرِيدِ النَّخْلِ، ثُمَّ إِنَّهَا نَخِرَتْ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ فَبَنَاهَا بِجُذُوعِ النَّخْلِ وَبِجَرِيدِ النَّخْلِ، ثُمَّ إِنَّهَا نَخِرَتْ فِي خِلَافَةِ عُثْمَانَ فَبَنَاهَا بِالْآجُرِّ، فَلَمْ تَزَلْ ثَابِتَةً حَتَّى الْآنَ][39] "عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں مسجد نبوی کے ستون کھجور کی لکڑی سے بنائے گئے تھے۔ اس کے اوپر کھجور کی شاخوں سے سایہ کر دیا گیا تھا،

پھر وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور میں بوسیدہ ہو گئی تو اس کو کھجور کے تنوں اور ٹہنیوں سے بنوایا گیا، اور جب خلافت عثمانؓ کے دور میں بوسیدہ ہوئی تو انہوں نے پکی اینٹوں سے بنوایا، جو اب تک موجود ہے"۔

بعد ازاں آپ ﷺ کے پاس مالِ غنیمت بھی آیا، رب تعالیٰ نے فراوانی بھی دی لیکن آپ ﷺ نے مہاجرین، ضرورت مند افراد کی مدد اور جہاد کے اخراجات کو اہمیت دی، مسجد کی تعمیر پر کوئی خرچ نہیں کیا۔ زکوٰۃ کے جو فی سبیل اللہ مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں بھی مساجد کا نام شامل نہیں کیا گیا، غالباً جس کی وجہ یہ ہے کہ مساجد کی تعمیر حقوق اللہ میں سے ہے جب کہ زکوٰۃ اور صدقات اپنی معنویت میں تو حقوق اللہ ہیں لیکن ان کا نفاذ۔ حقوق العباد کو اپنے دامن میں لپیٹے ہوئے ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر اور عہد رسالت کی مساجد کو دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ

- مسجد کے لیے بنیادی طور پر صرف جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعد ازاں دھوپ یا بارش سے بچنے کے لیے چھت کی لیکن اس کے لیے بھی جگہ جگہ جا کر یا گھر گھر جا کر چندہ اکٹھا کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔
- مساجد کے دیگر تمام مصارف اہل خیر اپنی صواب دید پر، مسجد کی ضرورت اور نمازیوں کی سہولت کے لیے مہیا کریں۔ یہ بھی بہت اجر کا باعث ہے۔

ہمارے معاشرے میں بسوں میں، گاڑیوں میں، چوراہوں میں اور گھر گھر جا کر مساجد کے لیے روپیہ روپیہ دو دو روپیہ مانگ مانگ جمع کرنے والوں کی کافی تعداد موجود ہے۔ مساجد میں صبح صبح ماشاء اللہ جزاک اللہ کی آوازیں یہ پتا دیتی ہیں کہ مسجد کے لیے فنڈ جمع ہو رہا ہے۔ بعض لوگ اخبارات ورسائل میں اشتہار دیتے ہیں۔ ایک مسلم معاشرے کے لیے سخت ذلت کا باعث ہے کہ وہ اللہ کا گھر تعمیر کرنے کے لیے بھی۔ مفلوک الحال ناداروں کی طرح چندے کی بھیک مانگتے پھریں۔ کیا ہم اپنے گھر کی تعمیر چندہ مانگ کر کرتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرامؓ اور قرونِ اولیٰ میں مساجد کے لیے کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا اور نہ ہی ایسا کرنا سچے مسلمان کو زیب دیتا ہے۔ مولانا عبد الستار حماد ایک فتویٰ کے جواب میں لکھتے ہیں: مسجد کے لیے سفارتی مہم چلا کر چندہ اکٹھا نہ کیا جائے، اصحاب ثروت اپنی گرہ سے تعمیر کریں۔[40]

چندہ جمع کرنے کی چند نامعقول صورتیں:

چندہ جمع کرنے کی بعض صورتیں دیکھنے میں بھی نامعقول ہیں اور ان کو اختیار کرنے والے مسلمان کے کردار سے عفت، غیرت، خودداری اور سوال نہ کرنے کی جھجک ختم ہوجاتی ہے۔ ان میں چند صورتیں یہ ہیں:

- **کپڑا یا جھولی پھیلانا:** نمازِ عید، نماز جنازہ، نماز جمعہ، جلسہ گاہ، بازار، گلی، میلے، عرس وغیرہ میں دو تین حضرات کپڑا پھیلائے ہر شخص کے سامنے کرتے ہیں۔ جس کے سامنے کپڑا کیا جائے اسے خواہی نخواہی سکہ، دو سکے تو ڈالنے ہی پڑتے ہیں۔ گیارہویں، میلے، میلاد اور نعت خوانی وغیرہ کے لیے جھولی پھیلانے والے حضرات سبز ٹوپیاں باندھے پوری سڑک کو گھیر لیتے ہیں، ایک شخص ڈھول پیٹتا ہے، دو چار بھنگڑا ڈالتے ہیں، ایک آدھ مست قلندر کے نعرے لگاتے ہیں، کچھ تماشا دیکھنے والے بھی ساتھ ہوجاتے ہیں، یوں نیلی پیلی جھنڈیاں اٹھائے گلیوں اور بازاروں سے گزرتے جاتے ہیں اور لوگ خیرات یا تبرک یا صدقہ یا پیر کی نیاز اور ختم کے لیے حصہ ڈالتے جاتے ہیں۔جب کہ اس میں درج ذیل قباحتیں شامل ہیں:

1. ڈھول پیٹنا حرام ہے۔
2. عرس یا میلاد منانا جائز نہیں۔
3. مست قلندر یا کسی اور پیر کے نعرے لگانا شرک ہے۔
4. گلیوں، بازاروں کو یوں گھیر لینا کہ راہگیروں کے لیے تنگی ہو اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔
5. کسی بزرگ کے نام کی نذر، نیاز یا خیرات دینا بھی شرکیہ کام ہے۔

یاد رہے بعض وہ ادارے جو کسی شرکیہ یا بدعیہ کام کے لیے نہیں مانگتے، جھولی پھیلا کر فنڈ یا مالی مدد یا صدقہ لینا ان کے ہاں بھی عام ہے۔ بعض لوگ اس کی دلیل اس حدیث سے لیتے ہیں:[عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ:" قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَطَبَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ فَأَتَى النِّسَاءَ فَذَكَّرَهُنَّ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى يَدِ بِلَالٍ، وَبِلَالٌ بَاسِطٌ ثَوْبَهُ يُلْقِي فِيهِ النِّسَاءُ الصَّدَقَةَ"، قُلْتُ لِعَطَاءٍ: زَكَاةَ يَوْمِ الْفِطْرِ، قَالَ: لَا، وَلَكِنْ صَدَقَةً يَتَصَدَّقْنَ حِينَئِذٍ تُلْقِي فَتَخَهَا وَيُلْقِينَ، قُلْتُ: أَتُرَى حَقًّا عَلَى الْإِمَامِ ذَلِكَ وَيُذَكِّرُهُنَّ، قَالَ: إِنَّهُ لَحَقٌّ عَلَيْهِمْ وَمَا لَهُمْ لَا يَفْعَلُونَهُ][41]"جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عید

کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے سب سے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی طرف آئے اور ان کو وعظ ونصیحت کی۔ اس دوران آپ بلالؓ کے ہاتھ پر ٹیک لگاکر کھڑے رہے اور بلالؓ اپنا کپڑا پھیلائے ہوئے تھے۔ جس میں خواتین صدقہ کی اشیاء ڈال رہی تھیں"۔ غور کیجیے! بلالؓ چادر لے کر ہر عورت کے سامنے نہیں گئے تھے بلکہ عورتوں نے خود آکر ان کی چادر میں زیور اور صدقہ کی چیزیں ڈالی تھیں۔ اس وقت دیگر کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس میں بلالؓ صدقہ کی اشیاء ڈالتے۔ یہ صدقہ کسی خاص جماعت یا ادارے کے لیے نہیں بلکہ حکومت وقت کے قائم کردہ بیت المال کو دیا جارہا تھا۔ تب روپے یا سکے کم ہوتے تھے اکثر لوگ زیور، غلہ، ستو، کھجوریں اور دیگر سامان صدقہ میں دیتے تھے، اس کے لیے چادر ہی کام آسکتی تھی۔ جب کہ آج کل فنڈ کے لیے آدمیوں کی جیبیں یا چندہ کے لیے رکھے ہوئے ڈبے یا اس کام کے لیے موقع پر موجود مخصوص آدمی ہی کافی ہوتا ہے۔

- **امداد کا ہدف مقرر کرنا:** بعض جماعتیں یا ادارے رقوم کی فراہمی کے لیے ہدف مقرر کرلیتے ہیں اور پھر اپنے کارکنوں کو پابند کرتے ہیں کہ وہ اتنی رقم لازماً مہیا کریں جیسے بھی ہو، جہاں سے بھی ہو۔ نتیجہ یہ کہ کارکن لوگوں کے گھروں میں جاکر، مال دار اور اہم شخصیات سے رابطہ کرکرکے ہلکان ہوجاتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ میں کبھی امدادی رقوم یا اشیاء کا ہدف مقرر نہیں کیا گیا۔
- **قربانی کی کھالیں جمع کرنا:** قربانی کی کھالیں جمع کرنے کے لیے ہر سال رفاہی و دینی ادارے / جماعتیں حرکت میں آجاتے ہیں۔ کارکنوں کو یہ ذمہ داری دی جاتی ہے کہ وہ قبل از وقت قربانی دینے والوں کو کہہ کر کھال بک کرالیں اور اپنا نمائندہ موقع پر موجود رکھیں تاکہ کھال کسی دوسرے کے پاس نہ چلی جائے۔ کھالیں جمع کرنے کے لیے پرکشش جملے وضع کیے جاتے ہیں۔ مثلاً "قربانی اللہ کے لیے"، کھال فلاں کے لیے"۔ حالانکہ یہ ایک شرکیہ جملہ ہے، کھال بھی رب تعالیٰ کے لیے ہے اور قربانی بھی رب تعالیٰ ہی کے لیے۔ قربانی کرنے والے لوگ عجیب مخمصے میں گھر جاتے ہیں، کس کو ہاں کریں اور کس کو نہ، جسے کھال نہیں دی جاتی اس کے ناراض ہونے کا خدشہ بھی ہوتا ہے۔ بلکہ قربانی کے حصہ داروں اور اہل خانہ میں بھی کھینچا تانی شروع ہوجاتی

ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ فلاں کو دی جائے اور دوسرا فلاں کو دینا چاہتا ہے۔ اصولی طور پر قربانی کے جانور کی ہر چیز، کھال، جھول وغیرہ بھی اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان جب اخلاص کے ساتھ قربانی کرے تو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ قربانی کا گوشت اور کھال از خود مستحقین کا پتا چلا کر ان تک پہنچانے کے لیے جائے۔ نہ یہ کہ قربانی کرنے سے ہفتہ عشرہ پہلے ہی مختلف اداروں کے کارندے اس کا دماغ پریشان کر دیں۔ نیز مالی صدقہ ایک عبادت ہے، عبادت میں زبردستی یا "میں، مجھے، اور میرا" کا کیا تعلق؟ قربانی کی کھال ہو یا گوشت جسے بھی مل جائے اس پر حسد یا سبقت کے کیا معنی؟ کیا اس ایک جماعت یا ادارہ کے علاوہ دوسرے مستحق نہیں؟

- **مجمع میں چندہ جمع کرنا:** مساجد میں نماز کے بعد، نماز عید کے بعد، کسی جلسے یا اجتماع کے اختتام پر، کسی سیاسی میٹنگ میں، سماجی تقریبات میں، چندہ یا فنڈ کی اپیل کرنے کی روایت عام ہو چکی ہے۔ بلکہ بعض لوگوں کا تو تقریب یا جلسہ منعقد کرنے کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے فنڈ اکٹھا ہو جاتا ہے، کارکنوں کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ ساتھ نئے افراد کو لائیں خصوصاً مال دار حضرات کو۔ مجمع میں چندہ کی اپیل کا کام اس شخص کے حوالے کیا جاتا ہے جو زبان چلانے کا فن جانتا ہو، جسے لوگوں کی جیب سے روپے نکلوانا آتا ہو۔ جب مجمع میں سے ایک شخص فنڈ دیتا ہے تو اس کی دیکھا دیکھی دوسرے افراد بھی کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:[أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّ اللَّهَ يَبْغَضُ الْبَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا تَتَخَلَّلُ الْبَقَرَةُ][42] "رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ مبالغہ آرائی سے گفتگو کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح بل دیتا ہے جس طرح گائے گھاس کھاتے وقت اپنی زبان کو لپیٹتی ہے"۔ یاد رہے کہ اخلاص کے ساتھ سادہ الفاظ میں کسی ضرورت مند کی حاجت پوری کرنے کے لیے کسی ایسے شخص سے کہنا جو یہ حاجت پوری کرنے پر قادر ہو، مستحسن امر ہے۔ کیوں کہ کہنے والے کو بھی اپنی جگہ پر اجر ملتا ہے اور حاجت پوری کرنے والے کو بھی۔ سیدنا معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ سفارش کیا کرو اور اجر پاؤ گے۔ میں کوئی کام کرنا چاہتا ہوں لیکن اسے موخر کرتا ہوں تا کہ تم سفارش کر کے اجر پاؤ۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:[اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا وَلْيَقْضِ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا أَحَبَّ][43] رسول

اللہ ﷺ نے صرف دو مواقع پر مالی مدد کے لیے صحابہ کرامؓ کو فرمایا تھا۔ ایک غزوہ تبوک کے موقع پر، دوسرے قبیلی مضر کا وفد آنے پر"۔ چنانچہ آپ نے جب غزوہ تبوک کا ارادہ کیا تو مسلمانوں کو بار بار کہنے کی، اپیل کرنے کی یا گھر گھر جا کر یا کسی کارکن کو بھیج کر مال اٹھا کر لانے کی تاکید نہیں کرنا پڑی بلکہ صحابہ کرامؓ نے از خود مال کے ڈھیر لگا دیئے اور یہی کسی ضروری یا نیک کام کرنے کے لیے مال دینے کا درست طریقہ ہے کہ لوگ خوشدلی سے مال لائیں۔

- **کسی کے لحاظ سے چندہ دینا:** عموماً چندہ دیتے ہوئے یہ لحاظ رکھا جاتا ہے کہ چندے کی سفارش کرنے والا کون ہے؟ اگر وہ کوئی غیر معمولی آدمی ہے یا اس سے ہمارا کوئی دوستی یارشتے داری کا تعلق ہے یا چند سرکردہ لوگ مل کر چندہ کی سفارش کرنے آئے ہیں تو ان سب کے لحاظ میں چندہ دے دیا جاتا ہے تاکہ ان مانگنے والوں پر احسان ہوجائے، لوگ یہ نہ کہیں کہ ہم اللہ کے لیے خرچ نہیں کرتے یا لوگ یہ جان لیں کہ ہماری ہمدردیاں بھی ان کی جماعت کے ساتھ ہیں۔
- **لوگوں میں اپنی رسید بک تقسیم کرنا:** اکثر تنظیمیں اپنی رسید بکیں اپنے کارکنوں میں تقسیم کردیتی ہیں، کارکن انہیں مزید آگے لوگوں میں بانٹ دیتے ہیں، یوں لوگوں سے فنڈ وصول کرنے پر بہت سے لوگوں کو لگا دیا جاتا ہے، رسید بک جسے دی جائے وہ نیکی کا کام سمجھ کر انکار بھی نہیں کرسکتا ہے۔ اتنی رقم اپنی جیب سے بھی پوری نہیں کرسکتا اور اس کا ضمیر یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ وہ لوگوں سے کہہ کر رقم مانگے۔ کارکن بڑے فخر سے یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح فلاں آدمی کو ترغیب دی اور اس سے فنڈ نکلوایا۔ سربراہ جب کارکنوں سے رپورٹ لیتے ہیں تو جو کارکن زیادہ فنڈ نہیں دیتے ان کو بتاتے اور سنواتے ہیں کہ دیکھو فلاں نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تو اتنا مال جمع کرلیا، تم بھی کچھ ایسا ہی کرو۔ دیکھا جائے تو اس وقت این جی اوز اور جماعتوں نے قوم کے ہر بچے، مرد اور عورت کو مانگنے کا فن سکھا دیا ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ][44] "جو لوگ مانگنے کا کام کرتے ہیں وہ روزِ قیامت اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے چہروں پر گوشت نہیں ہوگا"۔

- **گھر گھر جا کر فنڈ اکٹھا کرنا:** مدارس، مساجد، یتیم خانے، پولیو زدہ بچوں کی خبر گیری، مہاجرین کی بحالی وغیرہ کے نام پر گھر گھر جا کر فنڈ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ گھروں میں اس وقت جاتے ہیں جب مرد حضرات اپنے اپنے کام پر نکل چکے ہوتے ہیں۔ دروازے پر بیل دے کر السلام علیکم باجی! کہہ کر اپنی بات کا آغاز کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض یتیم، پولیو زدہ، معذور، بے سہارا بچوں، سیلاب زدگان، قحط زدگان، لٹے پٹے مہاجرین کی تصویریں بھی ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ نوٹ بک یا رسید بک کے علاوہ بعض یتیم بچے بھی ساتھ ہوتے ہیں جو گا گا کر اپنی مظلومیت کا رونا روتے ہیں، عورتیں نرم دل، جذباتی، ہر بات پر یقین کرنے والی ہوتی ہیں وہ مظلوموں کی تصویریں دیکھ کر یا کہانیاں سن کر یا ان کی حالت کے بارے میں جان کر فوراً کچھ نہ کچھ دینے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اکثر ایسے لوگ اخلاقی طور پر نہایت گھٹیا ہوتے ہیں، موقع ملے تو عورتوں پر دست درازی یا نگاہ غلط ڈالنے سے بھی نہیں چوکتے بلکہ میدان خالی ہو تو ڈکیتی اور چوری بھی کر گزرتے ہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کے تنہا ہونے کی صورت میں ان کے پاس جانے سے منع کیا ہے۔

گھر گھر جا کر مانگنے والوں کو بعض گھروں سے خاصی تلخ باتیں سننا پڑتی ہیں، انہیں خوب ذلیل کیا جاتا ہے، اس کے باوجود یہ لوگ جب تک ضدی بھکاریوں کی طرح کچھ ملے نہ، دروازے سے نہیں ٹلتے۔ ان میں سے اکثریت انتہائی گھٹیا ذہنیت کی حامل ہوتی ہے۔ ان کے پاس جعلی رسید بکیں، جعلی تصویریں ہوتی ہیں، یہ مظلوموں کے نام پر اپنے پیٹ کے لیے مانگتے ہیں، کبھی آٹھ دس افراد اور کبھی صرف ایک فرد! فرضی یتیم خانے، مدرسے، مسجد، پولیو زدہ بچوں یا مہاجرین کی بحالی جیسے امور کا ذمہ دار ہوتا ہے انہیں روزانہ جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے باہم نسبت تناسب سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ اتنے سخت جان واقع ہوتے ہیں کہ گھر کے دروازے پر بھیک مانگنے والوں کی طرح چمٹ جاتے ہیں، کوئی لاکھ انکار کرے وہ بار بار مالی مدد پر اصرار کریں گے، آخر کار صاحب خزانہ کو کچھ نہ کچھ دے کر انہیں بھیجنا پڑتا ہے۔

- **عورتوں کا صدقہ و خیرات کرنا:** حضور اکرم ﷺ نے ایک بار عورتوں سے عید کے خطبہ میں فرمایا: "عورتو! تم خیرات کیا کرو کیونکہ مجھے دکھلایا گیا ہے کہ جہنم میں

بہت سی عورتیں ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: یا نبی کریم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! یہ کیا ہے؟ فرمایا: تم بہت کوسنے دیتی ہو اور اپنے شوہروں سے ناشکر گزار رہتی ہو۔ میں نے تم جیسا بے عقل اور کمزور دین والا کوئی نہیں دیکھا، تم ہوشیار مرد کی عقل کھو دیتی ہو۔ اس کے بعد آپ گھر لوٹے تو عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی آئیں۔ انہوں نے اجازت مانگی۔ کسی نے آنحضور صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بتایا زینب دروازے پر کھڑی ہے۔ حضور صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پوچھا: کون سی زینب؟ کہا گیا: عبد اللہ بن مسعود کی بیوی۔ حضور صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: آنے دو۔ وہ آئیں تو کہنے لگیں کہ حضور صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا لیکن میرے خاوند کا کہنا ہے کہ وہ اور اس کے بچے اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ آپ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ابن مسعود کا کہنا سچ ہے تیرا خاوند اور تیرا بیٹا سب لوگوں سے جن پر تو خیرات کرنا چاہے زیادہ حق دار ہیں اور اس میں تیرے لیے دہرا اجر ہے۔[45] درج بالا حدیث سے یہ پتا چلتا ہے کہ:

- عورت اپنا ذاتی مال بھی شوہر کو بتا کر خرچ کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔
- صدقہ کرتے ہوئے سب سے پہلے اپنے قریبی اعزہ کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ قریبی عزیزوں کے مستحق ہونے کی صورت کسی اور کو صدقہ دینا درست طرز عمل نہیں۔
- قرابت داروں پر خرچ کرنے میں دوہرا اجر ملتا ہے ایک صدقہ کا، دوسرے قرابت پر خرچ کرنے کا۔

ہمارے معاشرے میں صدقہ (فنڈ / چندہ، مالی تعاون، (جمع کرنے والے لوگ مردوں کی نسبت عورتوں سے زیادہ رجوع کرتے ہیں کیونکہ عورتیں نرم دل، حساس اور جلد کسی بات کا اثر قبول کر لینے والی ہوتی ہیں وہ کسی کی پریشانی کے بارے سن کر پریشان ہو جاتی اور ہر قسم کا تعاون کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں، چنانچہ وہ مالی تعاون بھی اپنی حیثیت سے بڑھ کر کرتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر کسی کی کفالت کا بوجھ نہیں ہوتا۔ دوسرے وہ اپنی گرہ سے خرچ کرنے کی بجائے عموماً اپنے خاوند، باپ، بیٹے وغیرہ کی دی ہوئی دولت میں سے خرچ کرتی ہیں۔ وہ سوچتی ہیں کہ موجودہ زیور یا رقم صدقہ کر دوں اور بعد میں پھر اپنے شوہر، بیٹے، باپ سے اور لے لوں گی۔ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کوئی عورت بھی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر اس کا مال خرچ نہ کرے۔ پوچھا گیا کہ کھانا بھی؟ آپ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کھانا تو تمہاری بہترین دولت

میں سے ہے"۔ اگر عورت خاوند کے کھانے میں سے خرچ کرے اور وہ فاد نہ مچانے والی ہو تو اس کو بھی اجر ملے گا اور خاوند کو کمانے کا ثواب ملے گا اور خزانچی کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔[46]

چندہ لینے والے کو پہنچانا چاہیے یا دینے والے کو:

انفاق فی سبیل اللہ شرعاً ایک عبادت ہے۔ یہ عبادت کرنے والے پر موقوف ہے کہ وہ کب، کس طرح اور کس دل سے اسے بجالاتا ہے۔ فرض عبادت یعنی زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی کا ظاہر کرنا عیب نہیں لیکن نفلی صدقات کے بارے میں یہ تاکید ہے کہ ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾[47] "اور اگر چھپا کر فقراء کے حوالے کر دوگے تو یہ بھی بہت بہتر ہے"۔ ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد بیان کیا جس میں یہ ذکر ہے کہ روزِ قیامت جب کوئی سایہ نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ سات لوگوں کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔ ان میں وہ ہوگا جس نے اس قدر چھپا کر صدقہ دیا کہ دایاں ہاتھ جو خرچ کرتا ہے بائیں ہاتھ کو بھی اس کی خبر نہ ہو"۔[48]

صدقہ دینے والے کا کام ہے کہ وہ مناسب جگہ تلاش کرے اور ضرورت مند تک پہنچ کر اس کی ضرورت پہنچائے اور کوشش کرے کہ اسے خفیہ بھی رکھے۔ اگر وصول کرنے والے خود پہنچ جائیں تو دینے والا خود چل کر جانے کے اجر سے محروم رہ جاتا ہے نہ ہی وہ یہ موازنہ کرتا ہے کہ وہ کہاں خرچ کرنے کو ترجیح دے۔ جس ادارے یا تنظیم کے کارکن پہنچ گئے یا جن کو دینے کا وعدہ کر لیا، ان کے حوالے کر دیا۔

خازن، امین اور چندہ اکٹھا کرنے والے:

جو لوگ دوسرے سے مدد (چندہ) حاصل کر کے کسی رفاہی یا دینی کام پر خرچ کرنے کا ذمہ لیتے ہیں، یا جو لوگ چندہ اکٹھا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں یا جنہیں لوگ اپنا مال کسی تنظیم یا مستحق شخص تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپ دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو اس کام کا خازن یا امین بنایا جاتا ہے کہ وہ ادارے، تنظیم یا حکومت کی ہدایات کے مطابق عوام سے جمع شدہ رقوم یا اشیاء تقسیم کریں یا ان کی حفاظت کریں گے ان کو چاہیے کہ وہ اپنا جائزہ لیں! کیا

- وہ امانت وصداقت کے ساتھ یہ کام کر سکیں گے؟
- کیا وہ واقعی اس ذمہ داری کا حق ادا کر سکیں گے؟

- کیا وہ لوگوں کا مال جو اللہ کے لیے ان کے پاس جمع ہوگا اسے اپنی درست جگہ پر استعمال کر سکیں گے؟
- کہیں ذاتی طمع تو آڑے نہیں آجائے گا۔

دراصل کچھ کام اور افراد ایسے ہیں جن کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے بغیر خواہش کیے بنا دیا ہے جیسے بچوں کی تربیت، افرادِ خانہ کی کفالت یا فوت ہونے والے کی وراثت کی ٹھیک تقسیم کرنے کی ذمہ داری وغیرہ۔ الحمد اللہ! ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی رب کریم نے ہر مرد وزن میں صلاحیت بھی رکھی ہے کیوں کہ اصول یہ ہے کہ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[49] "اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"۔ دوسرے لوگوں کے کام کرنے یا ان کے مال کو درست جگہ استعمال کرنے کی ذمہ داری فرض نہیں بلکہ یہ ایک رضاکارانہ کام ہے۔ لہذا اپنے آپ کو خوب جانچ پرکھ لینا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ خود اپنے سر لیا ہوا بوجھ آخرت میں باعث اجر کی بجائے باعث عذاب بن جائے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں اور میرے چچا زاد دو بھائی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں گئے۔ ہم میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے جو معاملات آپ کے حوالے کیے ہیں ہمیں بھی ان میں سے کچھ پر امیر مقرر کر دیجیے۔ دوسرے نے یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم ان معاملات پر اس کو امیر نہیں بنائیں گے جو خود مطالبہ کرتا ہے یا اس کی حرص رکھتا ہے۔[50] لہذا معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کی ذمہ داری از خود اپنے سر اٹھا لینے کو ناپسند کیا ہے لہذا نجات اور عافیت کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ مسلمانوں کے کسی اجتماعی معاملے کی ذمہ داری اپنے سر از خود نہ لی جائے۔

ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے عامل بنا کر بھیجا اور فرمایا" :ابو مسعود! جاؤ(مگر دیکھو) ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قیامت میں اپنی پیٹھ پر زکاۃ کا اونٹ جسے تم نے چرایا ہو لادے ہوئے آتا دیکھوں اور وہ بلبلا رہا ہو"، ابو مسعودؓ بولے: اگر ایسا ہے تو میں نہیں جاتا، آپ ﷺ نے فرمایا" : تو میں تجھ پر جبر نہیں کرتا"۔[51] لہذا ثابت یہ ہوا کہ اگر کوئی احتیاط کے طور پر یا اپنی کمزوری کو جانتے ہوئے مسلمانوں کے کسی اجتماعی معاملے کی ذمہ داری یا ان کے مالی معاملات کی ذمہ داری سے گریز کرتا ہے تو اس پر زبردستی نہیں کرنا

چاہیے۔ غور کیجیے! ہمارے ہاں کسی تنظیم یا جماعت کا خازن یا مسئول یا امین المال یا سیکرٹری مالیات بننا باعث فخر سمجھا جاتا ہے جب کہ صحابہ کرام اس ذمہ داری سے کتراتے تھے۔ اگر ذمہ داری اٹھالی ہے تو ایک ایک پیسے، ایک ایک رتی بھر چیز کا بھی خیال رکھنا ہوگا کہ کہیں وہ ادھر ادھر نہ ہوجائے یا غلط جگہ پر خرچ نہ ہوجائے۔

لہٰذا فی سبیل اللہ جمع کیے گئے اس مال کے متعلق بہت چوکنے رہنا چاہیے کہ کہیں یہ روز قیامت وبال ہی نہ بن جائے۔ کس آدمی نے کیا دیا؟ کس مد میں دیا؟ رسید اور حساب کیا ہے؟ کس نے کہہ کر کتنا مال دلوایا؟ کتنا باقی بچا؟ جو لوگ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ مال کہاں کہاں خرچ کرنا ہے، کتنا کتنا خرچ کرنا ہے؟ انہیں چاہیے کہ وہ غیر جانب دار ہوکر فیصلہ کریں اور حقیقی ضرورت کی جگہوں پر خرچ کریں، غیر اہم یا فضول جگہوں پر اس فی سبیل اللہ مال کو خرچ نہ ہونے دیں۔ نیز یہ بھی خیال رکھیں کہ زکوٰۃ، قربانی کی کھالوں کی رقم اور فطرانہ صرف انہی جگہوں پر خرچ کیے جائیں جہاں خرچ کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ ہر طرح کے مال گڈمڈ نہ کریں۔

کچھ شرعی کوتاہیاں:

دورِ حاضر میں دینی کام ہو یا رفاہی، ان سب میں شریعت کے عطا کردہ طریق، شرائط اور آداب کو نظر انداز کرنے کی روش عام ہے جب کہ غیر ملکی این جی اوز کی طرح خرچ کرنے اور رفاہی کام کرنے کا انداز عام ہوچکا ہے۔ نتیجہ یہ کہ شرعی لحاظ سے بہت سی کوتاہیاں اس کام میں بھی درآئی ہیں جن کی وجہ سے مخیر حضرات کا خرچ کیا ہوا مال، وقت اور محنت ضائع ہونے کا امکان ہے۔ آیئے! ایک نظر اس پر بھی ڈال لیں:

- **تشہیر:** اکثر ادارے مختلف مواقع پر جس قدر فنڈ جمع ہوتا ہے، اس کی رپورٹ عام اخبارات، اپنے ترجمان رسائل، تعارفی کتابچوں کے ذریعے شائع کرتے ہیں ۔مثلاً عیدالفطر پر فطرانہ کی جمع شدہ رقم۔ عیدالاضحیٰ پر کھالوں کی تعداد، سیلاب زدگان کے لیے امدادی رقوم، وغیرہ اس طریق کار میں درج ذیل شرعی قباحتوں سے بچنا چاہیے: اعداد وشمار پیش کرنے میں مبالغہ سے کام نہ لیا جائے۔
  - دوسری جماعتوں یا اداروں پر اپنی عددی اور مالی برتری، نیز ان کے مقابلے میں زیادہ عوامی مقبولیت کا احساس دلانا مقصود نہ ہو۔

- جس کے اعداد و شمار دوسروں سے کم ہیں وہ زیادہ اعدادوشمار کا دعویٰ کرنے والی جماعت یا فرد کی حاسد یا رقیب نہ بنے۔
- یہ نیت نہ ہو کہ لوگ ایسا کرنے سے یہ سمجھیں گے کہ یہ جماعت / انجمن، مخلصانہ کام کر رہی ہے اور لوگ اسے مالی امداد دینے میں ترجیح دیں گے۔
- بہتر یہ ہے کہ رپورٹ صرف متعلقہ افراد کے لیے ہی تیار کی جائے اور ان تک پہنچا دی جائے، غیر متعلقہ لوگوں میں اس کی تشہیر نہ کی جائے۔

➢ **تصویر:** تشہیر ہی کا ایک حصہ تصویر بھی ہے۔ انسانی تصویر بنانے یا کھینچنے کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے: حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ:[عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" الْمَلَائِكَةُ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ، وَلَا كَلْبٌ، وَلَا جُنُبٌ][52]"رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کتے اور تصویریں ہوں وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے"۔ اس کے باوجود لوگ اسے تشہیر کے ذریعہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے اکثر اخبارات میں دیکھا ہوگا کہ فلاں صاحب بیواؤں میں سلائی مشین، آٹے کے تھیلے یا کپڑے، طالب علموں میں کتابیں کاپیاں، سیلاب زدگان کو کھانا، فلاں حادثہ پیش آنے والے کے لواحقین کو اتنی رقم کا چیک، پیش کر رہے ہیں غرض اگر چند روپے کسی کی امداد میں دیتے ہیں تو ساتھ ہی کھٹ سے تصویر بھی اتر والی جاتی ہے، تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

بعض ادارے / جماعتیں اپنے تمام پروگراموں، عمارات اور مہم کی ویڈیو اور آڈیو تیار کرتی اور اہم شخصیات اور اداروں کے پاس بھیجتی ہیں تاکہ وہ ان کی کارکردگی سے متاثر ہو کر انہیں امداد دیں۔ اس میں بھی یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کہیں خود نمائی کا جذبہ تو نہیں۔ یاد رہے کہ شرعاً بے جان چیزوں کی تصویر بنانا یا کھینچنا جائز ہے۔[53] تصویر، تشہیر کتابچوں اور رپورٹوں پر جو محنت، وقت اور مال خرچ کیا جاتا ہے وہ لوگوں ہی کے مال میں سے خرچ کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے لوگوں کو سنانے کے لیے نیک کام کیا، قیامت کے روز اللہ اس کا عذاب لوگوں کو سنائے گا اور جس نے دکھاوے کے لیے کوئی نیک کام کیا، قیامت کے روز اللہ لوگوں کو اس کی ذلت اور رسوائی دکھائے گا۔[54] ریا کرنے سے عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ اپنی تعریف آپ کرنے سے نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع کیا اور فرمایا:[لَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ

اللَّهُ أَعْلَمُ بِأَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ][55] "اپنے آپ کو پاک صاف مت کہو اور رب کریم بہتر جانتا ہے کہ تم میں کون زیادہ نیکوکار ہے"۔ تشہیر اور تصویر میں تفاخر اور دوسروں کے مقابلے میں اپنی برتری کا زعم بھی پایا جاتا ہے۔ حالاں کہ رب کریم نے اس سے بھی منع کیا اور فرمایا: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾[56] "بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے"۔ [عَنْ سَالِمٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ][57] "نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم نہ کرو، اسے بے سہارا نہ چھوڑو، اسے حقیر نہ جانو، تقویٰ یہاں ہے، رسول اللہ ﷺ نے تین بار اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا۔ پھر کہا؛ آدمی کے برے ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنے لگے، مسلمان کی تمام چیزیں دوسروں پر حرام ہیں، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت وناموس۔

زیادہ چندہ فراہم کرنے والے:

زیادہ چندہ فراہم کرنے والوں کا ادارے یا انجمن پر دھونس جمانا اپنے اجر کو ضائع کردینے کے مترادف ہے۔ فرمان ہے: ﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾[58] "ایمان والو اپنے صدقوں کو منّت گزاری اور اذیت سے برباد نہ کرو"۔ زیادہ چندہ فراہم کرنے والوں کی رائے کو دوسروں کے مقابلے میں اہمیت دینا درست نہیں البتہ صائب رائے کسی کی بھی ہو قبول کی جانی چاہیے۔ علمائے حق نے ہمیشہ یہ اصول رکھا کہ وہ کسی دنیادار رئیس سے مال لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان پاک ہے: [من اتی ابواک السلاطین افتتن][59] "جو بادشاہوں کی چوکھٹ پر گیا وہ فتنوں میں پڑ گیا"۔ لہٰذا تکبر وغرور میں مبتلا اور ناموری کے خواہش مند لوگوں سے مدد مانگنے کے لیے ان کے ہاں جانے سے گریز کرنا چاہیے۔

مولانا قاسم نانوتوی نے مدرسہ دیوبند کے لیے جو وصیت کی کہ اس میں یہ بھی وصیت کی:

- حکومت اور امراء کی شرکت نقصان دہ معلوم ہوتی ہے۔
- ان لوگوں کا عطیہ زیادہ بابرکت سمجھا جاتا ہے جو اپنے عطیہ سے شہرت کی امید نہیں رکھتے۔ شراکت داروں کی خیر سگالی کی وجہ سے پائیدار سامان زیادہ نظر آتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ: [عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ , قَالَ:" لَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الصَّدَقَةِ كُنَّا نُحَامِلُ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَيْءٍ كَثِيرٍ، فَقَالُوا: مُرَائِي، وَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ، فَقَالُوا: إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَاعِ هَذَا , فَنَزَلَتِ: الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لا يَجِدُونَ إِلا جُهْدَهُمْ سورة التوبة آية 79."][60] "ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ جب ہمیں خیرات کرنے کا حکم ہوا، تو ہم مزدوری پر بوجھ اٹھاتے، چنانچہ ابو عقیل اسی مزدوری سے آدھا صاع (کھجوریں) لے کر آئے اور ایک شخص (عبد الرحمن بن عوفؓ) بہت زیادہ مال لائے۔ اس پر منافقین کہنے لگے: رب کریم کو ابو عقیل کے صدقے کی کیا ضرورت تھی؟ اور عبد الرحمن بن عوفؓ نے تو دکھاوے کی خیرات کی ہے۔ تو رب کریم نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[61] "جو لوگ صدقات میں فراخدلی سے حصّہ لینے والے مومنین اور ان غریبوں پر جن کے پاس ان کی محنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے الزام لگاتے ہیں اور پھر ان کا مذاق اڑاتے ہیں خدا ان کا بھی مذاق بنا دے گا اور اس کے پاس بڑا دردناک عذاب ہے"۔ اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ کوئی زیادہ مال دے یا انتہائی قلیل اصل چیز اخلاص نیت ہے اور اسی کے مطابق اجر کا فیصلہ ہوگا۔

تعاون کرنے والوں کی کمائی:

دورِ جدید میں اکثر لوگوں کی کمائی حرام ہے اور وہ اپنے خیال میں حرام کمائی میں سے مختلف رفاہی کاموں میں خرچ کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ اب ان کا حرام مال پاک ہوگیا ہے۔ جبکہ رب کریم تو صرف پاکیزہ مال قبول کرتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: [عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: يَأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ سورة المؤمنون آية 51، وَقَالَ: يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ سورة البقرة آية 172، ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ][62] "نبی کریم ﷺ نے فرمایا": اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے) یعنی صفات حدوث اور سمات نقص و زوال سے (اور نہیں قبول کرتا مگر پاک مال کو) یعنی حلال کو (اور اللہ پاک نے مؤمنوں کو وہی حکم کیا جو مرسلین کو حکم کیا اور فرمایا: اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں اور نیک عمل کرو میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں۔ اور

فرمایا: اے ایمان والو! کھاؤ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دیں، پھر ذکر کیا ایسے مرد کا جو طویل سفر کرنے کے بعد ایک پاک جگہ پر اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کے بال بکھیرے ہوتے ہیں، گردوغبار سے کپڑے اور جسم بھرا ہوتا ہے، وہ عرش کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا کرتا ہے: اے میرے اللہ ! اے میرے اللہ ! اے میرے اللہ !اور حالت یہ ہو کہ کھانا، پینا اور اوڑھنا سب حرام مال سے اس کی نشوونما ہوئی ہو تو اس بندے کی دعا کیسے قبول ہو گی"۔ دنیوی کاموں کے لیے تو تحقیق کی ضرورت نہیں لیکن دینی مدارس وجہاد وغیرہ کے لیے حلال مال ہی قبول کرنا چاہیے تاکہ اس نیک کام میں برکت ہو۔ مثلاً دینے والے کا مال حرام نہ ہو۔ سود یا رشوت نہ لیتا ہو، کوئی حرام کاروبار نہ کرتا ہو۔ اس نے شرعی حصہ داروں کا حصہ اپنی جائیداد میں سے ادا کر دیا ہو۔ اس کے رشتہ دار اور پڑوس میں کوئی مستحق ہے تو پہلے اس کی ضرورت پوری کرنے کا احساس رکھتا ہو۔

تنظیم یا ادارے کا کام اصلاً اللہ کا کام ہے اور وہی اس کو پورے کرے گا۔ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ان شرائط کے بعد آمدنی تو کم ہو گی لیکن اس میں برکت بہت ہو گی کیوں کہ وہ خالص اللہ کے لیے دیا ہوا مال ہو گا۔ حدیث میں ہے: [اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ] 63 "جہنم سے بچوں اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی"۔ لہٰذا یہ فکر نہ کی جائے کہ بہت سا ہی وصول ہو یہ فکر ہونی چاہیے کہ جتنا ہو جائز طور پر وصول ہو۔ یاد رہے کہ مسلمان کا مال عام حالات میں حلال ہی سمجھا جائے گا، ارادۃً اس کے ذرائع آمدنی کے متعلق تحقیق نہ کی جائے لیکن اگر کسی قرینے سے یا واضح طور پر پتا چل جائے کہ اس شخص کی کمائی حرام ہے تو پھر اس کا صدقہ اور تعاون خالص دینی امور میں قبول نہ کیا جائے البتہ ہنگامی آفات کے وقت قبول کر لیا جائے کیوں کہ یہ ایک اضطراری صورت ہوتی ہے اور ایسے حالات میں حرام مال کا استعمال بھی مضطر شخص کے لیے جائز ہے۔

کارکنوں کی تنخواہوں کا معاملہ:

کسی بھی تنظیم، ادارے یا جماعت میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

- بانی، سرپرست اور کرتادھرتا لوگ مثلاً صدر، سیکرٹری وغیرہ۔
- ملازم کی حیثیت سے کام کرنے والے مثلاً ڈرائیور، باورچی، کلرک، خاکروب، چپڑاسی، وکیل، استاد، ڈاکٹر، مدرس، تحقیق و تصنیف کا کام۔
- کارکن جو ادارے یا تنظیم کے ہر پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے محنت کرتے ہیں۔

اکثر این جی اوز اور تنظیمیں ان تینوں قسم کے لوگوں کو تنخواہ دیتی ہیں۔ جہاں تک باقاعدہ ملازمین کا تعلق ہے ان کی تنخواہ دورِ حاضر کے معاوضے کے مطابق رکھنی چاہیے اگر وہ خود کم پر آمادہ ہوجائیں یا نہ لینا چاہیں تو اور بات ہے۔ کارکنوں کا کام پروگراموں کو کامیاب بنانے کے لیے محنت کرنا ہے، مثلاً جلسے کے پروگرام سے قبل لوگوں میں دعوت نامے تقسیم کرنا، لوگوں کو لانے کے لیے گاڑیوں کا انتظام کرنا، جہاں پروگرام ہے اس جگہ پر تمام انتظامات کرنا، آئے ہوئے مہمانوں کا استقبال کرنا، ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنا وغیرہ۔ اسی طرح مقرر کیے گئے اہداف کو پورا کرنے کے لیے یا ہنگامی حالات میں کام کرنے کے لیے کارکن ہی زیادہ کام کرتے ہیں لیکن کارکن کے ذمہ نہ تو ہمہ وقتی کام ہوتا ہے اور نہ ہی پیشگی اس کی نوعیت معلوم ہوتی ہے۔ اگر کارکن رضاکارانہ کرتے ہیں یا حصول ثواب کے لیے کام کرتے ہیں تو انہیں تنخواہ نہیں لینی چاہیے اور جو تنخواہ نہ لینا چاہے اسے زبردستی دینی نہیں چاہیے اس لیے کہ یہ نیکی کا کام ہے۔

اسی طرح جو لوگ تشہیر، تعارف اور چندہ کی فراہمی کے لیے کام کرتے ہیں، اگر وہ دینی تنظیم ہے تو پھر ایسے لوگوں کا تنخواہ ہیں یا کمیشن لینا یا ان لوگوں کا کچھ لینے کا طمع کرنا درست نہیں۔ کیا انفاق فی سبیل اللہ یا خدمت دین اور خدمت خلق جیسی عبادات بھی دنیوی کاروبار اور مصنوعات کی طرح ایجنٹوں، دلالوں اور مشتہروں کی مرہون منت ہیں؟ رہے سرپرست، بانی، صدر و منتظم وغیرہ حضرات تو ان کو بھی چاہیے کہ وہ بلا تنخواہ اپنی کدمات سے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں۔ اگر کوئی اپنا تمام وقت اپنے ادارے یا انجمن کے ہی کام میں مصروف رہتا ہے اور کمانے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں بچتا تو وہ فنڈز میں سے صرف اس قدر لے سکتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے کسی یتیم کے سرپرست کو اس کے محتاج ہونے کی صورت اجازت دی ہے۔ چنانچہ عمرؓ کہا کرتے تھے کہ بحیثیت خلیفہ میرا حصہ بیت المال میں اسی قدر ہے جس قدر ایک یریتیم مال میں اس کے محتاج سرپرست کا۔[64]

مولانا مفتی محمد شفیع سورۃ النساء کی آیت ٦ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں: ”آیت کے سیاق و سباق سے ایک فقہی قاعدہ اور اصول معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو اوقاف کی نگرانی یا مساجد و مدارس کے منتظمین یا اسلامی حکومتوں کے ذمہ دار ہوں یا اسی طرح کی دوسری ملی و قومی خدمات انجام دیں جن میں کفایت شعاری کا فریضہ ہے۔ ان حضرات کے لیے

سب سے اعلیٰ اور بہترین بات یہ ہے کہ اگر ان کے پاس اتنے اثاثے ہیں کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے ضروری اخراجات پورے کر سکیں تو وہ ان اداروں اور حکومتی خزانوں سے کچھ نہ لیں۔ اگر اپنی کفالت کے لیے پیسے نہیں ہیں اور کسب معاش کے وقت ان کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں تو ان کو یہ اختیار ہے کہ اگر ان کو ضرورت ہو تو ان اداروں سے لے سکتے ہیں، لیکن لفظ "ضرورت" کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ بعض افراد کاغذی خانہ پوری کے طور پر اپنی ماہانہ رقم خود طے کر لیتے ہیں لیکن مختلف طریقوں اور زیادہ لاپرواہی کے ساتھ اپنے او راپنے بچوں پر خرچ کرتے ہیں۔ اس لاپرواہی کا مداوا بجز اللہ کا خوف نہیں جس کا اشارہ آیت کے آخری حصے میں "وکفی باللہ حسیبا" کہہ کر عوام الناس کی توجہ اس طرف دلائی گئی کہ اللہ کے حساب کا سوچنے والا ہی ناجائز مال سے بچ سکتا ہے"۔[65]

حاصل یہ کہ اگر کسی تنظیم کے سرپرست یا کارکن تنخواہ لینا بھی چاہیں تو وہ اسی قدر لے سکتے ہیں جس قدر ایک غریب ترین آدمی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے رقم درکار ہوتی ہے۔ کیونکہ خلفائے راشدین نے بھی اپنی تنخواہ اور معیارِ زندگی قوم کے نادار طبقے کے مطابق رکھا۔ متوسط یا خوش حال طبقے کے مناسب حال تنخواہ لینا درست نہیں۔ نیز صرف تنخواہ پر اکتفا کرنا ہو گی کسی دوسری چیز سے فائدہ اٹھانا درست نہیں جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ رات کو چراغ جلا کر عوام کی کچھ درخواستیں پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں کوئی صاحب ملنے آ گئے تو انہوں نے وہ چراغ بجھا دیا اور دوسرا جلا لیا۔ استفسار پر آپ نے بتایا کہ پہلا چراغ حکومت کے تیل پر جل رہا تھا اور اس وقت میں حکومتی کام کر رہا تھا جب ذاتی کام میں مشغول ہوا تو چراغ بھی ذاتی جلا لیا۔ بعض لوگوں نے امدادی رقوم کو بیت المال اور تنظیم کے سرپرست کو خلیفہ وقت کی سی حیثیت دے کر یہ مسئلہ اخذ کیا ہے عاملین علیھا کی حیثیت سے ادارے میں مختلف خدمات انجام دینے والوں کا تنخواہ وصول کرنا جائز ہے حالاں کہ درج ذیل وجوہات کی بنا پر یہ خیال محل نظر ہے۔

- خلیفہ، عاملین اور بیت المال تینوں کے بارے میں پوری قوم کو پتا ہوتا ہے کون سی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے ہیں جب کہ کسی این جی اوز یا مذہبی و رفاہی تنظیم کے سربراہ کے نام، کام اور اس کے عاملین (ورکرز) سے بعض اوقات عوام میں سے چند اشخاص بھی واقف نہیں ہوتے، نہ انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عوام سے مالی امداد کے نام سے

حاصل کی گئی رقم میں سے کتنی رقم اپنی تنخواہ یا ضروریات پر خرچ کرتے ہیں اور کتنی رقم دوسروں پر خرچ کرتے ہیں۔

- خلیفہ اور عاملین زکوٰۃ پر قوم کسی خرد برد کی صورت میں احتساب کر سکتی ہے لیکن ان لوگوں کا احتساب کوئی نہیں کر سکتا۔
- عاملین زکوٰۃ اور خلیفہ پوری قوم کے ملازم ہوتے ہیں جب کہ کسی تنظیم کے سرپرست اور عاملین اپنی تنظیم ہی کے ملازم ہوتے ہیں۔

ادارے کی دیگر چیزوں سے فائدہ اٹھانا:

این جی اوز اور رفاہی اداروں کے سرپرست کا ادارے کی عمارت، گاڑی، سٹیشنری اور دیگر تمام اشیاء کو اپنی ملکیت کی طرح استعمال کرنا جائز نہیں کیوں کہ یہ سب چیزیں چندہ دینے والوں کے مال سے اس لیے بنائی جاتی ہیں تاکہ وہ ادارے کی اپنی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ شرعاً ادارے کے اراکین یا ملازمتوں اور کارکنوں کی تحویل میں یہ سب چیزیں امانت کے طور پر ہوتی ہیں۔

مہمان خصوصی:

این جی اوز یا دینی ادارے، سرکاری تقریبات ہوں یا رفاہی تنظیموں کی تقریبات۔۔۔ سبھی اپنے پروگرام، جلسے، تقریبات کے لیے کسی خاص مہمان کی تلاش میں ہفتوں دماغ لڑاتی اور مطلوبہ شخصیت تک رسائی کی کوششیں کرتی رہتی ہیں۔ ایسی شخصیات بھی رسماً اور مروتاً مہمان خصوصی بننے کا مطالبہ پورا کرتی رہتی ہیں، ان کے اکثر ایام اسی کام کے لیے پہلے سے طے ہو چکے ہوتے ہیں، بعض اوقات تو اس مہمان خصوصی کی رخصت دیکھ کر اپنے پروگرام کا وقت طے کیا جاتا ہے۔ عموماً ایسی شخصیت تلاش کی جاتی ہے جس پر اس انجمن کا رعب پڑے، کام سے متاثر ہو کر یا تو چندہ دے یا دلوانے کا باعث بنے یا اس شخصیت کے نام کی وجہ سے لوگ زیادہ تعداد میں آئیں اور مالی معاونت کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔

مہمان خصوصی کا یہ چکر بھی مغرب سے آیا ہے۔ مسلمانوں میں اس کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ نبی کریم ﷺ سے جب صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ ہم آپ کو ایک چبوترا بنا دیتے ہیں جس پر آپ بیٹھا کریں اور لوگ آپ کو پہچان لیا کریں تو آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کے بعد صدیوں خلفاء، امراء، عمال اور قاضی مساجد میں یا کسی چوپال

میں یا کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ اگر اسلام میں مہمان خصوصی کا رواج ہوتا تو صحابہ کرامؓ کی نظر میں نبی کریم ﷺ سے زیادہ اس کا کوئی حق دار نہ تھا اور تابعین کے لیے صحابہ سے بڑھ کر کوئی شخصیت خاص نہیں تھی لیکن مہمان خصوصی کا رواج ہمیں گذشتہ صدی میں ملتا ہے اور وہ بھی انگریزوں کے ہاں جو رفتہ رفتہ مسلمانوں میں بھی پھیل گیا ہے۔ مہمان خصوصی کے لیے گاڑی کا انتظام، آمد ورفت کا کرایہ، خاص اہتمام سے تیار کی گئی ضیافت، ٹھہرانے کے لیے مناسب جگہ یہ سب بلانے والوں کو کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مزید اخراجات بھی بڑھتے ہیں، وقت اور توجہ بھی فضول کام کی نذر ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات مہمان خصوصی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے اور ٹھہرانے کا جھمیلا بھی مول لینا پڑتا ہے۔ اگر کسی کو مہمان خصوصی بننا پڑ ہی جائے تو مہمان نوازی کے خصوصی آداب (پروٹوکولز) لینے سے میزبان کو منع کر دینا چاہیے اور ایک عام آدمی کی طرح پروگرام میں شمولیت کی جائے۔

تحائف اور انعامات دینا:

سالانہ تقریبات پر اکثر ادارے اور انجمنیں اپنی خاص خدمات انجام دینے والوں کو انعامات اور تحائف دیتی ہیں۔ ساتھ ہی وہ کام جس کے لیے اور جس کے نام پر یہ ادارہ تشکیل دیا گیا ہے اس میں باقاعدہ کام کرنے والوں یا طالب علموں یا مزدوروں کو حسن کارکردگی کے انعامات اور سرٹیفکیٹ اور ٹرافیاں دی جاتی ہیں۔ اس میں بھی بعض امور کو پیش نظر رکھنا بہتر ہے۔

- ایسا انعام یا تحفہ دینا جو کسی بھی کام نہ آسکے، یہ فضول تحفہ ہے۔ مثلاً ٹرافیاں اور شیلڈ ذوغیرہ نیز یہ سب انگریزوں کا طریقہ ہے۔
- مہمان خصوصی کو کوئی تحفہ دینا، بھلا اسے کس کس استحقاق کی بنیاد پر یہ تحفہ دیا گیا ہے۔
- ادارے میں صرف سیکھنے کے لیے آنے والوں کو انعام دینا یا ملازمین کو انعام دینا جائز ہے۔

یاد رہے کہ یہ سب (شرعاً غلط یا صحیح) انعامات بھی چندے کی رقوم ہی سے دیئے جاتے ہیں۔

خالص دینی ادارے:

تدریس، تبلیغ، تصنیف وتحقیق اور جہاد کی غرض سے بنائی گئی تنظیمیں یا ادارے اور مساجد وہ مراکز ہیں جو علماء کی سرپرستی میں کام کرتے ہیں۔ ہمارے اسلاف یہ تمام کام صرف لوجہ اللہ کرتے تھے، انہیں کسی قسم کے معاوضے، تعریف، ناموری، انعام و اکرام وغیرہ کی کوئی پروا نہیں ہوتی تھی۔ وہ دنیوی چیزوں سے اپنے آپ کو بہت حد تک دور رکھتے، امراء وسلاطین کے ہاں جانے کو وہ دنیا طلبی خیال کرتے اور حقیقتاً یہ بات ایسی ہی ہے۔ نادار طالب علموں کی مدد خود کرتے، بہت قلیل معاش پر گزارہ کرتے، ان کی ضرورتیں بہت کم تھیں یہاں تک کہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو محنت مزدوری کرنے کے لیے کچھ وقت نکال لیتے، جب کہ بعض کو والد کی طرف سے ملی ہوئی جائیداد یا کسی سے کاروبار کی شراکت کی وجہ سے جو کچھ ملتا اسی میں گزر بسر کر لیتے۔ بڑے بڑے مکان، آسائشوں کا حصول، گھریلو سازو سامان اور خادموں سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی، وہ اپنے کام کو عبادت سمجھ کر عند اللہ اپنے ذمے ایک مقدس فریضہ سمجھ کر دین کا کام کرتے۔ ان کی اپنے کام میں لگن اور دنیا سے بے رغبتی دیکھ کر امراء وسلاطین یہ خواہش کرتے کہ کاش یہ اللہ کے بندے ان کی طرف سے کوئی ہدیہ قبول کر لیں لیکن اکثر علماء ہدیہ بھی قبول نہ کرتے، ان کی فراست کا یہ فیصلہ تھا کہ جب وہ دنیوی چیزوں کی خواہشات میں پڑ جائیں گے تو ان میں اخلاص نہیں رہے گا اور ان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ جب کہ امراء وسلاطین کے ہدیے قبول کر لینے سے ان کی غیرت اور خودداری ختم ہو جائے گی، انہیں امراء وسلاطین کی کسی نہ کسی موقع پر جانب داری یا چاپلوسی کرنا پڑے گی یا ان کی بات ماننا پڑے گی، اسی طرح ان کے اس منصب (جو انبیاء کی وراثت ہے اس) پر بٹہ لگ جائے گا۔ ان کی اس للّٰہیت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ عوام وخواص کے دل ان کے لیے احترام اور محبت سے معمور تھے۔ لوگ ان سے دین سیکھتے اور سمجھتے تھے، علماء کی کہی ہوئی بات عوام وخواص کے لیے سونے سے زیادہ قیمتی ہوتی تھی۔ خلفاء علماء کی کہی ہوئی بات عوام وخواص کے لیے سونے سے زیادہ قیمتی ہوتی تھی۔ خلفاء وعلماء کے جوتے سیدھے کرنا اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے، ان علماء نے حق کے لیے حکومت وقت سے بھی ٹکر لی، نتیجے میں کوڑے کھائے، قید کاٹی، لیکن اپنے علمی مقام اور زہد واستغنا کا وقار بحالہ قائم رکھا، اپنے اخلاص میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ ان علماء کو تو یہ جاننے کی نہ فرصت تھی

اور نہ خواہش کہ لوگ ان سے کتنا پیار کرتے ہیں؟ ان کے درس میں کتنے لوگ آتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان علماء حق کا نام بڑی عقیدت و محبت سے لیا جاتا ہے۔[66]

دورِ حاضر کے علماء میں وہ بات نہیں رہی، دنیوی زیب و زینت ان کے ہاں بھی در آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ خالص دینی مراکز کے سرپرستوں کے ہاں بھی انداز اور اسباب و سامان وہی نظر آتے ہیں جو دنیوی تنظیموں یا اداروں میں نظر آتے ہیں۔ کسی ادارے کی بنیاد رکھتے ہوئے آج علماء اور دیندار حضرات بھی سب سے پہلے خوبصورت اور وسیع عمارت، صوفوں او ربیش قیمت پردوں سے آراستہ دفتر، آرام دہ گاڑی اور پر تکلف سامان ضیافت وطعام، خود ستائی، رنگا رنگ تعارفی کتابچے اور تصویری جھلکیوں سے سجی ہوئی ویڈیو وغیرہ کا اہتمام کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ امدادی رقوم عموماً ان پہلے مراحل کو ہی پورا کرنے میں صرف ہوتی رہتی ہیں اور اصل کام کے لیے یا تو رقم ہی نہیں بچتی اور کچھ کیا بھی جائے تو وہ برائے نام ہی ہوتا ہے۔ نیز ہر عالم اپنا ادارہ اور اپنا کام الگ شروع کرلیتا ہے، جب کہ شرعاً جو کام پہلے سے شروع ہے اسی کو مزید بڑھاوا دینے کی کوشش ہونی چاہیے۔ کسی بھی دینی ادارے کا کوئی پروگرام ہو تو دنیوی لحاظ سے مال وجاہ والی شخصیت کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے بلانے میں فخر سمجھا جاتا ہے۔ اکثر مساجد اور مدارس یا ادارے عمارت کے لحاظ سے توسیع و عریض ہیں، جگہ جگہ ان اداروں کی شاخیں قائم ہیں لیکن ان عمارات میں وہ افراد یا وہ کام برائے نام ہے جسے کرنے کے لیے یہ سب کیا گیا ہے۔ ابھی پہلا مرکز ہی تشنہ تکمیل ہوتا ہے کہ دوسری شاخ کی بھی تعمیر شروع کردی جاتی ہے۔ جس کام کے لیے ادارہ شروع کیا ہے اگر اس پر توجہ دی جائے اور اس میں تیار ہونے والے افراد یا اس میں انجام دیا جانے والا کام نتائج کے اعتبار سے مثالی ہو تو یہ بذات خود اتنا بڑا ذریعہ تشہیر ہے کہ دنیوی ذرائع تشہیر کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ان شاء اللہ اس طرح آخرت کا اجر اور دنیا کی نیکی نامی دونوں ہی حاصل جائیں گے۔ الحمد اس وقت بہت سے دینی ادارے نتائج کے اعتبار سے اچھا کام بھی کررہے ہیں۔ توجہ دلانے کا مقصد یہی ہے کہ خامیوں کو دور کیا جائے۔

علماء اور نعت خوانوں کا معاوضہ لینا:

دورِ حاضر میں دینی فروشی کی سب سے خراب صورت یہ ہے کہ درس دے کر، نعتیں سنا کر، میلاد خوانی کرکے اس پر معاوضہ وصول کیا جائے۔ بعض درس دینے والے

مرد اور خواتین معاوضہ لیتے ہیں جو کہ ان کی شخصیت، آواز اور مقبولیت کے پیش نظر رکھا جاتا ہے، جبکہ حضور اکرم ﷺ و صحابہ کرامؓ، محدثین وفقہاء علمائے سلف نے درس دینے یا جمعہ پڑھانے پر کبھی معاوضہ نہیں لیا۔ شاید اس خرابی کا باعث یہ ہے کہ تب دین سیکھنے کے لیے عوام علماء کے پاس حاضر ہوتے تھے، علماء کو بلانے اور ان سے دورِ حاضر کے انداز میں درس دینے کی انہیں زحمت دینا دین کی توہین اور علم کی ناقدری شمار ہوتا تھا۔ بہر حال معاوضہ لینے دینے کی وجہ سے لوگ کسی عالم کی جادو بیانی تو سننے آتے ہیں لیکن دین سیکھ کر نہیں جاتے اور اگر کچھ دینی لحاظ سے سیکھتے بھی ہیں تو وہ دین نہیں دین کا چربہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ درس دینے والوں کے فن تقریر کی قیمت لگائی جاتی ہے اور وہی سنی بھی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ ادارے یہ معاوضہ عوام ہی کے دیئے ہوئے چندے میں سے ادا کرتے ہیں۔

درس دے کر معاوضہ لینے والوں میں سے ایک قسم انہی لوگوں ہی کی ہے جن کے درس دینے اور وعظ کرنے کے دوران ہی لوگ نوٹ نکال نکال کر ان کی میز پر رکھتے جاتے ہیں۔ شرعاً میلاد خوانی، مرثیہ خوانی کرنا ہی جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا منعقد کرنا، بطور پیشہ اختیار کرنا، سننے کے لیے جانا بھی جائز نہیں جب کہ نعت خوانوں کا جواز تو ہے لیکن نعت خوانوں کا پیسے وصول کرنا درست نہیں۔ ان لوگوں کو جو کچھ بھی دیا جاتا ہے۔ عوام کے پیسے ہی سے دیا جاتا ہے ہاں جب کوئی صاحبِ حیثیت اپنی گرہ سے مرثیہ خوانی یا میلاد خوانی یا نعت خوانی کا اہتمام کرے تو اس صورت میں گو پیسہ عوام کا نہیں ہوتا لیکن صاحب حیثیت آدمی اپنا مال غلط جگہ پر خرچ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے کیوں کہ یہ کام عہد رسالت میں اس انداز سے کبھی نہیں کیا گیا۔ نیز نعت یا میلاد پڑھنا نہ فرائض میں سے ہے نہ نوافل میں سے۔

کسی کی میت ہو جائے تو بعض پیشہ ور وعظ کرنے والوں اور نظمیں جو اکثر بے تکی ہوتی ہیں پڑھنے والے مردوں یا عورتوں کو بلایا جاتا ہے گو یہ کام اکثر خواتین ہی کرتی ہیں۔ قل، دسویں اور برسی پر اس قسم کی محفل منعقد کی جاتی ہے۔ پیشہ ور وعظ کرنے والیاں اور نعت یا نظم پڑھنے والیاں اپنے وقت اور آواز کی خوب قیمت وصول کرتی ہیں اور حاضرین بھی جیب سے نوٹ نکال نکال کر انہیں دیتے جاتے ہیں۔ یہ بھی دین فروشی کی نہایت بھونڈی روایت ہے۔ شرعاً مرنے کی ایسی کوئی رسم کرنا جائز نہیں۔[67]

دنیوی اعداد و شمار یا اخروی اجر؟

شریعت نے دنیاوی اعداد و شمار لوگوں کی واہ واہ، یا کام کے پھیلاؤ کو معیار کامیابی قرار نہیں دیا بلکہ اس کا معیار تقویٰ ہے اور تقوی کے لیے ضروری ہے کہ:

- کام میں اخلاص ہو، صرف اللہ کی رضا مطلوب ہو۔
- دوسروں کو اپنی کارکردگی بتائی اور جتائی نہ جائے کہ جس اللہ کے لیے کیا ہو وہ تو بہتر جانتا ہے۔
- امانت داری کے ساتھ ساتھ پائی پائی اس طرح خرچ کی جائے جیسے کم آمدنی والا شخص اپنا بجٹ سوچ سمجھ کر بناتا ہے۔وہ ضروری موقعوں پر خرچ کرتا اور غیر ضروری اخراجات موقوف کر دیتا ہے۔
- ذہن میں یہ فکر ہر وقت سوار رہے کہ احتساب کا دن بھی آنا ہے۔ اس روز اللہ کو حساب دینا ہے۔ وہ کروڑوں لوگ اس روز حساب لینے کے لیے آئیں گے جنہوں نے کسی بھی صورت تعاون کیا ہوگا۔ نیز وہ مستحقین بھی گریبان پکڑیں گے جن کی ہمدردی اور خیر خواہی کا بیڑا اٹھایا تھا۔
- لوگوں کو صدقات کے فضائل یا مستحقین سے ہمدردی اور تعاون کی تمام ممکنہ صورتیں بتائی اور سمجھائی جائیں، انہیں مستحقین کی بھی نشان دہی کر دی جائے اور خود انہی کے ہاتھوں مستحقین کی مدد کروائی جائے تاکہ مدد کرنے والے بھی اپنی عبادت نافلہ کا پورا پورا اجر حاصل کریں اور راہ بتانے والا بھی بغیر کسی نقصان کے کھٹکے کے پورے کا پورا اجر احاصل کرے۔ جیسا کہ فرمان ہے:﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾[68]"جو اچھی سفارش کرے، اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

ذاتی طور پر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے میں دل چسپی لی جائے۔ یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی دیکھ بھال اور گھروں میں انہیں گھر کا ایک فرد بنا کر رکھنے اور اس پر اجر و ثواب بتایا جائے تاکہ لوگ ذاتی دل چسپی، توجہ اور ایثار کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیں۔ مالی نیکی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسلام کا طریقہ اختیار کیا جائے اور اپنی ذاتی کمائی اور ذاتی جائیداد کو دینی یا رفاہی کاموں کے لیے وقف کیا جائے، اس میں خیانت، تشہیر، ریا، تصویر، اپنی تعریف آپ، کارڈ، دعوتوں وغیرہ کی فضول خرچیاں خود بخود

ہی دب کر رہ جائیں گی کیوں کہ یہ لالچ نہیں ہوگا کہ لوگ بھی اس کارِ خیر میں حصہ ڈالیں۔ یاد رہے کہ اگر کوئی اپنی مرضی سے کوئی نیک کام ہوتے دیکھ کر تعاون کرنا چاہے تو یہ تعاون قبول کرلینا چاہیے اور اسے درست جگہ پر خرچ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دیانت داری کے ساتھ فی سبیل اللہ مال کو درست جگہ پر خرچ کرنے کی سمجھ اور توفیق عطا فرمائے اور ملحد، بے دین، شرکیہ کام کرنے والوں اور کافروں کے اداروں میں معاون بننے سے دور رکھے۔ ہم صرف نیکی اور تقویٰ کے کام کرنے والوں ہی کی معاونت کریں۔ آمین۔

نتائج:

مدارس کے علماء کرام عموماً جب کسی سے چندہ لیتے ہیں تو چندہ دینے والے حضرات کی وسعت سے زیادہ چندہ مانگ لیتے ہیں۔ یہ حضورﷺ کے اس طریقہ کو بھی نظر انداز کردیتے ہیں کہ آپﷺ نے کبھی بھی لوگوں سے ان کی وسعت سے زیادہ مال نہیں لیا تھا۔ اس طرح چندہ کی کچھ ناجائز صورتیں بھی بن جاتی ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

- چندہ کی ترغیب کرنا جائز اور زور دباؤ اور اصرار کے ساتھ چندہ مانگنا ناجائز ہے۔
- کچھ علماء کرام لوگوں سے چندہ مانگنے کی خاطر سب کے سامنے ان کی تذلیل اور توہین بھی کردیتے ہیں جو ناپسندیدہ عمل ہے۔
- بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے لیے تو نہیں مانگتے اللہ کے واسطے مانگتے ہیں لیکن یہ عذر باطل ہے اس لیے کہ معصیت ہر حال میں معصیت ہے دین کے واسطے بھی معصیت حلال نہیں ہوتی بلکہ اس کی برائی زیادہ سخت ہے۔
- علماء کو چاہیے کہ چندہ کا کام ہی چھوڑ دیں لیکن اگر کرنا بھی ہے تو چندہ کرنے میں استغناء کا طریقہ اختیار کریں کسی کی خوشامد کرکے یا اپنی باتیں سنا کر متاثر کرکے چندہ وصول نہیں کرنا چاہیے۔
- چندہ کا ایک منفی اثر یہ بھی ہے مدارس کے لیے چندہ نے علماء کی حیثیت کو بہت بے وقعت کردیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] ممتاز احمد، دینی مدارس روایت اور تجدید علماء کی نظر میں، ایمل مطبوعات اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ا

[2] رفیق احمد رئیس، تعمیر ملت اور دینی ادارے، مکتبہ الفہیم منوناتھ بھنجن یوپی، ۲۰۰۹ء، ص ۲۲

[3] ممتاز احمد، دینی مدارس روایت اور تجدید علماء کی نظر میں، ص ا

[4] ابو عمار زاہد الراشدی، دینی مدارس، بنیاد پرستی اور انسانی حقوق، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، جنوری ۱۹۹۵، شمارہ ا، ج ٦، ص ۲۴

[5] البقرہ، ۲:۳

[6] محمد عبد منیب، چندہ (فنڈ) کے شرعی احکام، مطبوعات مشربہ علم وحکمت لاہور، ص ۱۰

[7] بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م۲۵٦ھ)، صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، رقم الحدیث: ۱۴۰۰

[8] القشیری، مسلم بن حجاج (م۲٦۱ھ)، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی المنفق والممسک، رقم الحدیث: ۲۳۳٦

[9] https://www.nawaiwaqt.com.pk/21-Dec-2018/958471

[10] البقرہ، ۲:۲٦۱

[11] القشیری، مسلم بن حجاج (م۲٦۱ھ)، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، رقم الحدیث: ٦۵۹۲

[12] تھانوی، اشرف علی، مولانا، حیاۃ المسلمین، دارالکتب دیوبند، ص ۱۹۰

[13] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، رقم الحدیث: ۱٦۹۱

[14] محمد عبد منیب، چندہ (فنڈ) کے شرعی احکام، ص ۵

[15] محمد عبد منیب، چندہ (فنڈ) کے شرعی احکام، ص ٦

[16] محمد عبد منیب، اسلام اور رفاہی کام، مطبوعات مشربہ علم وحکمت لاہور، ص ۷

[17] محمد عبد منیب، اسلام اور رفاہی کام، ص ۸

[18] ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ)، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقۃ، رقم الحدیث: ۱۸۳۲

[19] تھانوی، اشرف علی، مولانا، اشرف المواعظ ملحقہ مواعظ موت وحیات، دارالکتب دیوبند، ص ۳۹۰

[20] تھانوی، اشرف علی، مولانا، چندہ اور مدارس، مکتبہ اشرفیہ لاہور، ص ۱۱۲

[21] الفاتحہ، ۱:۶۔۷

[22] الحشر، ۱۹:۵۹

[23] المائدہ، ۵۱:۵

[24] ام عبد منیب، زکوۃ کے حق دار کون؟ مشربہ علم وحکمت لاہور، ص ۱۴

[25] النسائی، احمد بن شعیب (م ۳۰۳ھ)، سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب اتخاذ القبور مساجد، رقم الحدیث: ۲۰۴۹

[26] القشیری، مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ)، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النھی عن تجصیص القبر والبناء علیہ، رقم الحدیث: ۲۲۴۵

[27] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، رقم الحدیث: ۱۱۳۴

[28] الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، سنن الترمذی، کتاب الفتن، رقم الحدیث: ۲۱۶۰

[29] البقرہ، ۲۷۳:۲

[30] ال عمران، ۱۰۴:۳

[31] تھانوی، اشرف علی، مولانا، دعوت عبدیت، ص ۴۶۳

[32] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب من یاخذ الشیء علی المزاح، رقم الحدیث: ۵۰۰۳

[33] نواب الدین، ابوعدنان محمد منیر قمر، جشن میلاد، یوم وفات، توحید پبلی کیشنز بنگلور، ۲۰۰۲ء، ص ۲۲

[34] ام عبد منیب، سحری، افطاری اور افطاریاں، مشربہ علم وحکمت لاہور، ص ۳۲

[35] ال عمران، ۱۶۷:۳

[36] ام عبد منیب، کافروں کے تہوار اور ہمارا طرز عمل، مشربہ علم وحکمت لاہور، ۱۴۳۴ھ، ص ۴۴

[37] القشیری، مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ)، صحیح المسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل الجلوس فی مصلاۃ بعد الصبح وفضل المساجد، رقم الحدیث: ۱۵۲۸

[38] بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب من بنی مسجداً، رقم الحدث: ۴۵۰

[39] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، سنن ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، فی بناء المساجد، رقم الحدیث:

[40] الحماد، حافظ عبدالستار، فتاویٰ اصحاب الحدیث، مکتبہ اسلامیہ پرنٹرز لاہور، ۲۰۰۷ء، ج ۱، ص ۸۲

[41] بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب موعظۃ الامام النساء یوم العید، رقم الحدیث: ۹۷۸

[42] الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی الفصاحۃ والبیان، رقم الحدیث: ۲۸۵۳

[43] القشیری، مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ)، صحیح المسلم، کتاب البر وصلۃ والآداب، باب استحباب الشفاعۃ فیما لیس بحرام، رقم الحدیث: ۶۶۹۱

[44] ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی (م ۸۵۴ھ)، بلوغ المرام، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ التطوع، رقم الحدیث: ۵۱۶

[45] بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الزوج والایتام فی الحجر، رقم الحدیث: ۱۴۶۶

[46] بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اجر المرأۃ اذا تصدقت اواطعمت من بیت زوجھا غیر مفسدہ، رقم الحدیث: ۱۴۴۰

[47] البقرہ، ۲: ۲۷۱

[48] بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ بالیمین، رقم الحدیث: ۱۴۲۳

[49] البقرہ، ۲: ۲۸۶

[50] البانی، محمد ناصر الدین، سلسلہ احادیث اردو ترجمہ، باب ھل یولی طالب العمل، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، ۲۰۰۹ء، ج۲، ص ۲۷۲، رقم الحدیث: ۱۷۴۰

[51] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، سنن ابو داؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفیء، باب فی غلول الصدقۃ، رقم الحدیث: ۲۹۴۷

[52] النسائی، احمد بن شعیب (۳۰۳ھ)، سنن النسائی، کتاب الصید والذبائح، باب امتناع الملائکۃ من دخول بیت فیہ کلب، رقم الحدیث: ۴۲۸۶

[53] ام عبد منیب، تصویر ایک فتنہ، مشربہ علم وحکمت لاہور، ص ۷

[54] بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الریا والسمعۃ، رقم الحدیث: ۶۴۹۹

[55] بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح، رقم الحدیث: ۵۶۰۹

56 الحجرات، ۴۹:۱۳

57 القشیری، مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ)، صحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظلم، رقم الحدیث: ۶۵۷۸

58 البقرہ ۲:۲۶۴

59 ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، سنن ابوداؤد، کتاب الصید، باب فی اتباع الصید، رقم الحدیث: ۲۸۵۹

60 بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ، رقم الحدیث: ۱۴۱۷

61 التوبہ، ۹:۷۹

62 القشیری، مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ)، صحیح المسلم، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقہ من الکسب الطیب وتربیتھا، رقم الحدیث: ۲۳۴۶

63 بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ، رقم الحدیث: ۱۴۱۷

64 متقی ہندی، علی بن حسام الدین عبدالملک (م ۹۷۵ھ)، کنز العمال، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور، ۲۰۰۹ء، ج۶، ص ۳۳۰

65 عثمانی، محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ج۲، ص ۳۰۶

66 ام عبد منیب، سوگ اور تعزیت، مشربہ علم وحکمت لاہور، ص ۱۷

67 ام عبد منیب، سوگ اور تعزیت، مشربہ علم وحکمت لاہور، ص ۱۷

68 النساء، ۴:۸۵